১৪৪৪০৩

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188803
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—67—11-1-68—5,000.

92496

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Accession No. U 1240

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

LIBRARY

دیباچہ

از ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر چشتی نظامی وزیر اعظم حیدر آباد دکن

ہند کے بہت بڑے فلسفی اور سچے رہنما سری کرشن بھگوان کی سوانحعمری کا وہ پہلا حصہ جوان کے ابتدائی واقعات زندگی کے متعلق ہے ایک کتاب کی صورت میں میرے سامنے ہے۔ یہ کتاب میرے معظم ومحترم اور واجب التعظیم روحانی چمن کے ہمصفیر سیدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی مدظلہٗ کی بیس برس کی محققانہ تحقیق کا معرکۃ الآرا نتیجہ ہے۔

قبل اس کے کہ اس کتاب پر اپنے خیالات ظاہر کروں۔ ہندو مذہب کی قدامت پر کسی قدر نظر ڈالنا چاہتا ہوں جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت خواجہ نے اس قدیم مذہب کی اور اس مذہب کے ایک سچے ہادی کی کس بے تعصبی اور دلسوزی سے خدمت انجام دی ہے اور ہندو مسلمانوں کو اس پاکیزہ خیالی اور بے تعصبی کی کس درجہ قدر کرنا لازم و واجب ہے۔

میرے پیارے خواجہ نے بیس برس تک جو جھولی بغل میں ڈال کر ڈنڈا کمبل لئے ہوئے۔ حق پرستی۔ حق گوئی۔ حق بینی میں سیاحی کی اُس کی قدر ہندو اور مسلمانوں کے محققین کو کرنا چاہیئے۔ وہ کیا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ سنہری روپہلی مورتوں کے سکون یا جواہر پارے یا مقطع جاگیر کے اسناد سے ان کی جھولی بھر دی جائے کیونکہ ان کی جھولی میں دینے والے حقیقی داتا نے دین اور دنیا کی نعمتیں بھر دی ہیں۔ بلکہ میری یہ عرض ہے کہ قدر کیجئے اور ان کے ممنون منت رہیئے۔

اور اصل قدر تو خود حضرت خواجہ کا ضمیر کرے گا جس نے ایسی راستی و صداقت

شعاری سے یہ کتاب قلم بند کرائی۔

جہاں اور اعمال خیر کا لشکر خواجہ کے ساتھ ہے یہ عمل بھی اس لشکر میں ست ست کا سنکھ بجاتا رہیگا۔ اور معتقدین کی روحیں جے جے پکارینگی۔

ہندو مذہب قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی ثابت ہے کہ ہندوؤں کا مذہب سب سے قدیم ہے جس زمانہ میں مصر اور یونان اور روم کے مذاہب کی بنا بھی نہ پڑی تھی اور اہل دنیا کے کان اُن سے آشنا بھی نہ تھے اس مذہب کی عمارت کب کی تیار ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہندو مذہب قدیم زمانہ کے مذاہبوں سے نہایت شاندار اور عجیب وغریب ظاہر ہوا یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہے نہ اس کی عمارت کی طرز تعمیر ایک وضع پر ہے۔ اس مذہب کو ایک مشرقی طرز کے نہایت خوشنما عظیم الشان اور وسیع محل سے تشبیہ دیجا سکتی ہے جو دور سے صرف ایک حیرت انگیز عمارت نظر آتی ہے اور قریب جاکر بغور دیکھنے سے منزل بہ منزل چنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

ہندو مذہب ایک مذہب نہیں بلکہ مذاہب کا مجموعہ ہے جن کو مجتمع کر کے ان کی مختلف خاصیتوں سے ترتیب دیا ہے اس وجہ سے اس کو معجون مرکب کہنا بیجا نہ ہوگا یہ مذہب دیگر مذاہب کی طرح ایک ہی شخص نے ایک ہی وقت میں وضع نہیں کیا بلکہ لسے مختلف رہنماؤں۔ رشیوں اور سنتوں نے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہزارہا سال کے عرصہ میں بنایا ہے۔ یہ مذہب کسی ایسے نقشہ نویس کا بنایا ہوا نقشہ نہیں ہے۔ جو کسی ملک کے ایک ایک راستہ کو پیمائش کرتا ہے اور جنگلوں کی پگڈنڈیوں سے لیکر شہروں کی سڑکوں تک کو نقشہ کھینچکر دکھاتا ہے بلکہ ایسے نقشہ نویس کا نقشہ ہے جس نے کسی اونچے پہاڑ پر بیٹھ کر .... کا عکس لیا ہے اور شہروں کو نقطوں کے ذریعہ سے نقشہ پر دکھایا ہے۔

مذہب ہنود بہت بڑا ذخیرہ مذہبی خیالات کا ہے اس میں نہ باطل عقائد کا نشان ہے نہ کفرو بت پرستی کا بلکہ یہ ایسا مذہب ہے کہ اگر اس کے نکات اور عظمت دریافت کرنے کے لئے مقدس رشیوں اور باخدا دیوتاؤں کے طریق علم وعمل کو دیکھا جائے تو خدا پرستی کی پوری شان اور توحید کی حقیقی تصویر نظر آئے گی۔ ہندو مذہب کا اصل اصول بالکل اس کے مصداق ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔)

مقدس ویدوں میں نہ ایسے قوانین ہیں جن سے مغفرت ہونی دشوار ہو۔ نہ سبب اور مسبب کی غیر محدود قیدیں ہیں بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان جملہ قوانین سے قطع نظر مادہ اور طاقت کے ہر جزو اور ذرہ میں ایک ایسی قوت ہے جس کے حکم سے ہوا چلتی ہے۔ آگ جلتی ہے۔ مینہ برستا ہے اور موت آتی ہے۔ اس کے صفات یہ ہیں " وہ ہر جگہ موجود ہے۔ پاک ہے۔ اس کی شکل نہیں ہے اور وہ قادر مطلق اور رحیم ہے۔ علمائے وید اسکی حمد وثنا اس طرح کرتے ہیں " تو ہمارا ماں باپ ہے۔ تو ہمارا عزیز دوست ہے تو تمام طاقتوں کا منبع ہے ہم کو طاقت عطا کر۔ تو تمام عالم کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ ہم کو زندگانی کا بار اُٹھانے کے لئے مدد دے۔

وید۔ بہت بڑا ذخیرہ مذہبی خیالات کا ہے۔ یہ کتابیں مختلف اوقات میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلا درجہ رگ وید کا ہے۔ رگ وید کے مطالعہ سے ہمیں قدیم آریہ اقوام کی زبان۔ مذہب۔ معاشرت دماغی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جن علما نے وید کا ترجمہ کیا ہے وہ ان کی تعریف میں اپنا زور قلم دکھلاتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے بڑی مشقت سے ہوا میں اڑتے ہوئے خیالات کو الفاظ کے پنجرے میں بند کیا ہے۔

رگ وید کی سوکتوں کی عبارت میں ہر جگہ تکلف اور انشا اور [illegible]

آثار پائے جاتے ہیں۔ جسوقت علوم تاریخی پر تدریجی ترقی کے اصول سے نظر ڈالی جائے گی تو ثابت ہوجائے گا کہ اس قسم کی تصانیف ایک زمانہ دراز کی تعلیمی ترقی کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ وید میں کسی ابتدائی اور نیم وحشی مذہبی قوم کا تمدن نہیں ملتا بلکہ اس میں ایک ایسی قوم کا تمدن ہے جو ترقی انسان کے بہت سے مدارج طے کر چکی تھی۔

جدید سے جدید تحقیقات اہل یورپ کی رو سے یہ امر ثابت ہے کہ سب سے پرانا وید جس کو رگ وید کہتے ہیں اقلاً تین ہزار سے چار ہزار سال قبل مسیح میں مدون ہوا۔ مدون ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ تحریر میں آیا اور کتاب کے صفحوں میں حروف کی شکل بنکر اپنی کالی کالی صورتوں کا مرقع بنا اس لئے کہ ہندوستان میں تحریر کے جاری ہونیکا زمانہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اس کی نسبت محققین کا اتفاق نہیں ہے بلکہ تدوین سے مراد یہ ہے کہ وید کے الفاظ نے بجنسہ معتقدین اور محققین کی سماعت کے راستے سے دلوں میں اپنا نور ڈالکر تاریک گھروں کو روشن کردیا۔ وہ اور جس حالت میں آج ہم تک پہونچے ہیں اس حالت میں وہ تین ہزار سال قبل مسیح دلوں کی کتابوں میں موجود تھے۔ اور اس وقت سے اسوقت تک ان میں کسی قسم کا بین تغیر نہیں ہوا۔ اس آسمانی کتاب کے چار حصے ہیں۔ ان میں سب سے اول رگ وید ہے اور اس میں صرف دعاؤں کا ذخیرہ ہے اور مختلف دیوتاؤں کو مسخر کرنے والے منتر ہیں۔ یہ دعائیں نظم میں ہیں اور ان کی بحریں مخصوص ہیں۔ علاوہ اس کے ان دعاؤں کے پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے جس کو ہندوؤں کا علم تجوید کہا جاسکتا ہے اور زہد و تقویٰ اس کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ علم اس قدر مشکل ہے کہ بغیر استاد کے اس کا حاصل کرنا محال ہے۔ اسی واسطے اس زمانے میں قریب قریب ناپید کے ہوتا چلا ہے۔

رگ وید میں ایک ہزار اٹھائیس دعائیں ہیں اور ان کو رگ وید کے جمع کرنے والوں نے دس کتابوں پر تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک دعا کے شروع میں اُس رشی کا نام ہے

جس سے وہ منسوب ہے اور اس دیوتا کا جس کی شان میں ہے اور اس خاص بحر کا نام جس میں وہ لکھی گئی ہے پایا جاتا ہے۔

اگرچہ رگ وید کا بہت بڑا حصہ عبادت اور خدا کی ستایش سے بھرا ہوا ہے لیکن بعض بھجن ایسے ہیں جن سے تاریخی واقعات اور قدیم تمدن کی بھی حالت کا استنباط ہو سکتا ہے۔ ہم ہندو مذہب کی نشوونما اور ترقی کے زمانہ کو سات دور میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر دور کی انشا پردازی اور اس کے رہنما۔ رشی۔ سنت شاستر جدا جدا ہیں۔ اس سے ہندو مذہب کی نشوونما اور ترقی کے زمانوں کی مختلف حالتیں دریافت کرنی بہت آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ امر اس وقت دشوار ہوتا جب ہر دور کی انشا پردازی میں اختلاف نہ ہوتا ہر دور علم الٰہی میں بیشمار تصانیف موجود نہ ہوتیں۔

پہلا دور اس زمانہ کی تاریخ رگ وید سے معلوم ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر ایک قوم ہند میں آئی۔ جن کی جلد سفید اور بال سیاہ تھے یہ قوم ایک ہی زبان بولتی تھی جس کا نام آریک تھا۔ یہ اصلی زبان تو مفقود ہو گئی ہے لیکن سنسکرت اسی سے مشتق ہے۔ یہ قوم کابل کے دروں سے ہو کر ہندوستان میں آئی اور اطراف واکناف میں پھیلی۔ یہ خانہ بدوش تھی۔ اسے فن زراعت کا علم تھا اور اکثر اقوام کی ابتدائی حالت کی طرح ان کا متخیلہ نہایت ہی زوردار تھا۔

مجھے اس مقام پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ ممکنات عالم میں فلسفہ کے محققین نے دنیائے تمام کاروبار اور رنج وراحت کی بنا خیال پر رکھی ہے۔ یہ قول اُن کا آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "تمام کاموں کی بنا محض خیال پر ہے"۔ خیال ہی نے عام طبائع پر حکومت کی ہے۔ اسی خیال کی حکومت کے اثر سے دنیا کے زبردست فلسفیوں اور اعلیٰ رہنماؤں نے سرگرم اور جاں فشاں کوششوں میں اکثر اپنی انمول جانیں صرف اس لئے قربان کیں کہ انسانوں میں تقدس کے خیالات پھیلا کر انہیں

پاک اور سخت فرائض کا ادا کرنا سکھائیں۔ جس طرح ہماری کتاب زیر ریویو کے ہیرو سری کرشن بھگوان نے اپنی معصوم اور بے لوث زندگی کے طریق عمل سے دنیا پر ثابت کر دیا۔

بہر حال آریہ قومیں دریائے سندھ سے گنگا تک آئیں اور اس کے بعد یہ ہمہ پتر تک پھیل گئیں راہ میں انہوں نے سیاہ فام اور سیدھے بال والی اقوام اور نیز تورانیوں کو جوان سے پہلے یہاں مقیم تھے زیر کیا۔ اور بتدریج ہند کی سرزمین پر بس گئیں جب وہ ہندوستان میں وارد ہوئیں تو انہیں مذہب اور خدا کی طرف بہت کم توجہ تھی مگر یقیناً ایک مدت کے بعد یہاں کے دلکش منظر، نیلگوں آسمان، روشن چاند، تازگی بخش دریا، صاف و شفاف نہروں، سرسبز مرغزاروں، رنگ برنگ کے پھولوں اور عظمت و شان الٰہی نے ان کے دلوں میں اعلیٰ خیالات پیدا کر کے انہیں صانع مطلق کی نامتناہی اور کامل قدرتوں کی طرف رجوع کر دیا۔ اور بمصداق پرکار کی طرح گردش کرتے ہوئے اپنے مرکز اصلی پر پہنچے وہ اپنی خوش نصیبی اور دنیا کے کل عیش و آرام میں کامیاب تھے ان میں ایسے بھی پیدا ہوئے جنہیں بہشتی نور بخشا گیا وہ قدرت کاملہ کی حسن و خوبی کی تعریفیں کرتے اور قادر مطلق کی جو قدرت کاملہ کا فرمانروا اور مالک ہے حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے۔ انسانی خلقت میں بھی پہلے لوگ تھے جنہوں نے مالک کل کا تصور کیا۔ انہوں نے علم روحانی و اخلاقی میں برابر ترقی کی ہندوؤں کی اس ترقی میں پانسو برس سے زیادہ گزرے اور اول اول مذہب کا تخم رگ وید کے ایک ہزار اٹھائیس گیتوں نے بویا جن کو مختلف شخصوں نے مختلف مقامات میں تصنیف کر کے گایا ان تمام گیتوں میں کم و بیش خالق اکبر کے عشق اور عظمت کی بوئے خوش آتی ہے جو تمام دنیا کا حکمراں ہے۔ یہ گیت اگرچہ مذہبی ہیں مگر ان سے ابتدائی زندگی کی حالت مترشح ہوتی ہے اور دنیا کے ابتدائی فلسفہ کی جھلک

کہیں کہیں نظر آتی ہے۔

دوسرا دور اب یہ قوم اور آگے بڑھتی ہے۔ ستلج پہونچی اور وہاں سے گنگا جمنا تک بڑھی۔ مگر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گانے اور عشق آلہی کو نظم ولکش میں ظاہر کرنے سے ان کی تسکین نہ ہوئی اس خیال نے رفتہ رفتہ ان کی آرزوؤں کا حوصلہ بڑھایا اور ان کے دلمیں اس رفیع الشان وسیع خوبصورت عالم کے مالک سے قربت حاصل کرنے کی تمنا پیدا کی۔ آخر غور و فکر کرنیوالوں نے خدا کی نزدیکی اور عیش ابدی حاصل کرنے کے وسائل دریافت کرنے میں بڑی بڑی دماغ سوزیاں کیں اس وقت منزل مقصود پہ پہونچنے کے لئے دو فریقوں نے دو مختلف طریقوں سے کوششیں کیں۔ ایک فریق نے بیشمار رسوم مذہبی اختراع کرکے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور دکھایا کہ ان کی پابندی سے صفائی قلب ہوکر نیکی پیدا ہوگی اور اس کے صلہ میں بہشت میسر آئے گی۔ دوسرے فریق نے رسوم مذہبی کی پروا نہ کی اور ایک دوسری قسم کی کتابیں لکھیں جنکو مذہبی دنیا میں علم فلسفہ کی ابتدا کہنی چاہیئے۔ ان دونوں کی کوششیں مذہب کی نشو و نما اور ترقی میں دوسرا درجہ ہے ان فریقوں نے دو قسم کی انشا پردازی چھوڑی ہے جن میں ایک کو برہمنہ اور دوسری کو اپنشد کہتے ہیں۔

تیسرا دور اس میں آریوں نے اپنی فتوحات کو اور وسیع کیا۔ یہ زمانہ جنگی اور علمی کارناموں سے ممتاز ہے۔ یہ دور اہل ہند کی مذہبی ترقی ہی کے لئے مشہور نہیں ہے بلکہ اس میں تمدن۔ دنیاوی جاہ و ترقی اعلیٰ درجہ پہ پہنچا ان کی سلطنت کا سلسلہ ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کے کنارے تک وسیع ہوگیا ان میں بڑے بڑے طاقتور حکمراں ہوئے اور ان سلطنتوں میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیاں ہوئیں۔ فلسفہ کا خاصکر زور ہوا۔

اسی مبارک زمانہ میں سچے رہنما بہت بڑے فلسفی حق پرست۔ حق بین۔ حق گو حق جو مہاراج سری کرشن نے چندر بنسی آسمان کے آفتابی مطلع سے طلوع ہو کر اپنے نور ظہور سے عالم کو روشن کر دیا۔ اور ان کے قلوب میں جو روشن دان تھے ان میں سے فوارہ کی طرح نور بکھیر دیا انہی کی سوانح عمری میرے سامنے ہے اور جن کے صحیح اور سچے واقعات زندگی واجب التعظیم حضرت خواجہ حسن نظامی نے لکھے ہیں۔

کرکشیتر کے میدان میں جنگ عظیم ہوئی اور ایسی ہوئی کہ خاک خون سے رنگی گئی اسی زمانہ میں یسک نے نرک تصنیف کی پنینی نے صرف ونحو کے رسالے لکھے۔ پاتنجل نے جوگ کی کتابیں تصنیف کیں کپل نے سانکھیہ والوں کا فلسفہ لکھا۔ اسی زمانہ میں برگزیدہ بیاس جی نے ویدوں کی تالیف کی۔ اور والمیکی راماین لکھی گئی۔ اگرچہ زمانے کی گردشوں نے بمصداق ؎

مقسوم اہل علم خدا بست زیر چرخ ۔۔۔ رسمیست در شکنجہ کشیدن کتاب را

ان کے نشانوں کو رگڑتے رگڑتے مٹا دیا لیکن پھر بھی اس دور کی علمی روشنی سورج کی طرح اب تک چمکتی نظر آتی ہے۔

جس وقت تمام دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی ہندوؤں کی قوم میں اعلیٰ تہذیب وشائستگی اور ترقی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانہ کو ایک ہزار سال قبل مسیح سے تین سو برس قبل مسیح تک سمجھنا چاہیئے۔

چوتھا دور } بودھ مذہب کے دوران کا ہے۔ علوم وفنون کی رونق ہوئی۔ شاعری۔ طب۔ صرف ونحو۔ قانون۔ نجوم فلسفہ وغیرہ کی تالیف وتصنیف کا بازار گرم ہوا اور ہند وتمدن جنوبی ہند وسیلوں تک پہنچا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ بودھ مذہب ہندو مذہب سے بالکل ایک جدا مذہب ہے لیکن اس سے زیادہ بھی کوئی رائے غلط ہو سکتی ہے۔ اگر غور وانصاف سے دیکھا

جائے تو گوتم بدھ نے اسی مذہب کے وعظ کہے تھے جو سری کرشن نے تعلیم کیا تھا اور اسی تعلیم نے زمانہ کے حالات کے مطابق ایک نیا چولا بدلا تھا۔

پانچواں دور ایک روشن زمانہ میں شروع اور تاریکی میں ختم ہوا۔ جدید برہمنی مذہب آیا اور بدھ مذہب کو مغلوب کر لیا یہ پولٹیکل اور علمی کارناموں کا زمانہ تھا جو سات سو برس تک قائم رہا جس کے اول دو سو برس روشنی کا زمانہ تھا اور آخری پانسو برس میں سخت تاریکی رہی اس زمانہ میں پُران لکھے گئے کہ ہندو مذہب کا اثر نبی آدم کے دلوں پر پڑے مگر کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ نکلا کیوں کہ ہندوؤں کی تہذیب روحانی عظمت و شان سے گر گئی اور اس کی روشنی کے مطلع پر تاریکی کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔

چھٹا دور اسلامی سلطنت کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بھی علمائے دین کا ظہور ہوا رشی اور سنت پیدا ہوئے اور ہندو مذہب کی روشنی پھیلانے کے لئے۔ جو جہل کی تاریکی سے ماند ہوئی جاتی تھی بہت کچھ کوشش کیگئی گو اس مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور ہندوؤں کی فضیلت۔ فوقیت عظمت بہت گھٹ گئی تھی تاہم زمانہ کی دست برد اور تغیر و انقلاب سے اس کا سر نہ جھکا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو مذہب بظاہر دنیا سے مفقود ہو گیا۔ عام لوگوں کی سوسائیٹیوں سے جو آئے دن کی خانہ جنگیوں اور جہل و تعصب میں مبتلا تھیں اس کا اثر کم ہوتا گیا مگر ایسے شخصوں کے دلوں میں اس کا نور باقی رہا جو سوسائٹی کے جھگڑے بکھیڑوں سے علحدہ تھے جہاں نہایت خاموشی کے عالم میں اس کی روشنی۔ ترقی اور وسعت حاصل کرتی رہی۔ اس وقت کے ہندو مذہب کی نسبت اگر کوئی رائے پوچھی جائے تو وہ یہی ہے کہ مذہب حالت خواب میں تھا مگر وہ اس حالت میں عرصہ تک نہیں رہا سوتے ہوئے شیر کی طرح یکایک جاگ اٹھا اور ایک ہزار سال کے بعد اس نے

نمی چیتین ¹ کے جھنڈے کے نیچے اپنی قدیم آب و تاب اور اصلی چمک دمک کے ساتھ جلوہ دکھایا۔

ساتواں دور یہ زمانہ حال کا ہے چھٹے دور میں دنیا کے بڑے طاقتور مذہب اسلام سے اور اس کے آخری دور میں نامی گرامی مذہب مسیحی سے اس کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ مگر کوئی اس پر غالب نہ آسکا۔ بلکہ ان مذہبوں کے مدمقابل ہونے سے اسے اپنی نشو ونما۔ تازگی۔ اور طاقت و عظمت حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی۔

اس تاریخی بنیاد بیان کر دینے کے بعد جس کی بہت ضرورت تھی۔ اور جسکے بیان کئے بغیر سری کرشن کی حقیقت ناواقفوں کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آسکتی۔ اب میں نفس کتاب پر نظر ڈالتا ہوں۔

حضرت خواجہ صاحب نے کتاب کے مقدمہ میں محققانہ طریقے سے ہندوؤں کو اس جرم سے بری کرنے کی پوری کوشش کی ہے جو نہایت واجبی ہے کہ انہوں نے جوش محبت میں سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پتلا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے محقق مصنف نے گمراہی کو جوش محبت کا اصل اصول قرار دیا ہے اور ہندوؤں کے ان چند افراد کو اس امر میں متہم قرار دیا ہے جنہوں نے اپنی شاعرانہ بلند پروازی میں اپنے نفسانی جذبات کو ایسے مقدس رہنما کی جانب منسوب کر رکھا ہے۔ یا سری کرشن کے ہادیانہ اوصاف کو اپنی نفسانی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ کیا یہ الزام سب ہندوؤں پر عائد ہوتا ہے! ہر گز نہیں۔ ہر زمانہ میں ایسے ذی علم و دانشمند ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت موجود رہی ہے جو سری کرشن کی اصلی شان سے واقف تھی اور ان تمام خرافات کو خرافات ہی سمجھتی تھی۔ جو سری کرشن کی ذات سے منسوب تھیں اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ غیر اقوام ساری ہندو قوم کو اس کا الزام نہ دیں کہ اس نے اپنے طاہر رہبر کو

نوٹ ¹ ہندو مذہب کے ایک بہت بڑے عالم فلاسفر کا نام ۱۲

بعوض خوشبودار عطروں کے پیاز۔ لہسن۔ اور ہینگ سے آلودہ کرکے دنیا کے آگے رکھا ہے محقق مصنف نے دلائل و براہین سے اس کی بھی کوشش کی ہے کہ ایسے مقدس اور پاک نفس ہادی کو اس کی اصلی حالت میں دکھائے اور ایک برگزیدہ نفس کی نسبت جو بدگمانیاں ہیں ان کو دور کرے ان کا عقیدہ ہے اور سچا قابل قدر عقیدہ ہے کہ سری کرشن کو جاہل ہندوؤں اور بے اعتبار ہندو کتابوں کے عقائد کی بنا پر عیاش اور خواہش نفسانی کا تابع سمجھنا حقیقت کے خلاف اور ناقابل بخشش گناہ ہے کیونکہ جو پاک دامن اور معصوم صفت رہبر ہوگا وہی اپنی ہدایت کی روشنی سے دلوں کی تاریکی کو روشن کرسکے گا ورنہ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کی مصداق ہوگا۔

خواجہ صاحب مسلمان ہیں۔ موحد ہیں۔ صوفی ہیں۔ انہوں نے باوجود مسلمان ہونے کے ہندو مذہب کے ایک ہادی کی بزرگی و عظمت کو جس وقعت کیساتھ ملحوظ رکھ کر اپنی بے تعصبی کا ثبوت دیا ہے۔ اگرچہ تعصب پرستوں کے دلوں میں خار سا کھٹکتا ہوگا۔ مگر خدا لگتی بات اور راستی اور ایمان کی تو یہی ہے کہ یہی انصاف ہے اور یہی انصاف دین ہے اور یہی دین و ایمان ہے جو سرمایۂ ناز ہے اور اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے یہ کتاب گو مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے لیکن اس سے ہر مذہب اور عقیدہ کا آدمی فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

میرا خیال ہے اردو زبان میں اس طرز اور اس شان کی محققانہ و بے تعصبانہ سری کرشن کے حالات میں اور کوئی کتاب نہ ہوگی۔ سری کرشن مہاراج کے ہر حصہ زندگی کو اس عمدگی سے لکھا گیا ہے کہ واقعات کے سمجھنے میں معمولی علم و سمجھ کے لوگوں کو بھی دشواری نہ ہوگی۔ اور پھر کمال یہ کیا ہے کہ انشا پردازی کی بہار ہر جگہ عجب مستانہ انداز سے دکھائی ہے۔ اور ہر قصہ کو عالم تصور بنا دیا ہے۔

نصاب تعلیم میں شریک کرنے کے قابل ہے میں نے کرشن بیتی کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ یہ کتاب مدارس کے نصاب تعلیم میں شریک کرنی چاہیئے۔
جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی اقوام ہندو مسلمان میں اصلی اور سچا اتحاد پیدا ہو۔ ان کو اس قسم کی کتابیں اپنے بچوں کو پڑھانی چاہئیں جن سے ہر قوم دوسری قوم کے رہنمایان مذہب کی عزت کرنے پر مائل ہوگی۔

دیسی ریاستوں میں رواج میرا دوسرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں ایسی کتاب کا عام طور سے رائج کرنا ہندو مسلمانوں کے اس اتحاد کو اور زیادہ قوی کرسکتا ہے جو ریاستوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور جس کو بعض مفسدہ پرداز طبائع برہم و برباد کرنے کی سعی کررہی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ہندو بھائی اس کتاب کی قدردانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرینگے اور وہ یہی ہے کہ جگہ جگہ اور گھر بہ گھر ایسی مفید و مؤثر کتاب کو شایع کیا جائے۔ میں یہ بھی اُمید رکھتا ہوں کہ مسلمان بھائی بھی مصنف کرشن بیتی کے میلان حق نگاری کو اسی نظر سے دیکھیں گے جو اسلام نے ان کو تعلیم کی ہے یعنے غیر مذاہب کے پیشواؤں کی عزت فقط (دستخط) یعنے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد

سری کرشن بھگوان

ہندوؤں نے ان کو اوتار کیوں مانا۔؟

اسباب عقیدت کا مطالعہ

از جناب لالہ کنور سین صاحب ایم اے پرنسپل لا کالج لاہور وحال جڈیشل منسٹر ریاست جودھ پور

(۱) مہرشی ویاس جی کی نسبت روایت ہے کہ جب مہابھارت گنیش جی کے ہاتھوں لکھوا چکے، تو بجائے اس کے کہ ایسی معرکۃ الآرا تصنیف پر فخر و ناز کرتے

یا خوش ہوتے جو نفس مضمون اور طرزِ کلام کے اعتبار سے دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، ازبس مغموم اور اُداس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں نارد جی کا ادھر سے گزر ہوا طبیعت کا حال احوال پوچھا، دیاس جی نے کہا "منی ناتھ! میں نے کورو پانڈو کی جنگ عظیم کا حال لکھ دیا۔ بیسیوں دیوتاؤں سیکڑوں راجوں اور ہزاروں جوانمردوں کے کارنامے نظم کی لڑیوں میں پرو دئے۔ ایک لاکھ شلوک کہہ ڈالے۔ مگر دل کا ارمان نہیں نکلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کہا۔ حسرت کہو یا کلفت کچھ کمی ہی محسوس کرتا ہوں۔ مگر پتہ نہیں لگتا کہ کیا بات ہے۔ اس کا کوئی علاج بتائیے۔

(۲) نارد منی تینوں لوک کے گھومنے ہر کس وناکس سے ملنے والے۔ راجہ پرجا، رشی منی، عورت مرد، جوان بوڑھے، سب سے بات چیت کرکے پورے باخبر رہنے والے عالم باعمل تھے۔ قیافہ سے تاڑ گئے کہ رشی کے دل میں بھگتی بھاؤ کی ترنگ اُٹھ رہی ہے۔ جو روکے رُک نہیں سکتی۔ بولے "دیاس جی تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ راجپوت چھتری بیر، سورما تلوار تیر سے دشمنوں کو مارتے اور اپنا خون بہا کر دنیا کو فسق و فجور سے پاک وصاف کرتے ہیں۔ تم نے قلم کے زور سے مرے ہوئے بہادروں کو جلا دیا گویا ہندوستان کو زندہ جاوید کردیا۔ اور زبان کے جادو سے سسکتے ہوئے دھرم میں جان ڈال دی۔ مگر یہ سب کچھ سری کرشن بھگوان کی حمد وثنا کے آگے ہیچ ہے جنگ مہابھارت ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جس کی تم نے اتنی تفصیل لکھی ان کے اپنے احوال زندگی بیسیوں مہابھارت سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں ان کی زندگی طرفہ ترین دلاویزیوں سے بھرپور ہے۔ جن کو کرشمہ ہائے ربانی کہو، یا نغمہ ہائے رحمانی۔ اب سری کرشن بھگوان کی سوانحعمری سے اپنی نظم کو منور اور ان کی کشف کرامات سے اپنے کلام کو مکمل کرو۔ تمہاری حسرت دور اور کلفت کافور ہو جائے گی۔

(۳) بیاس جی کی سمجھ میں آگیا۔ جو پردہ سا تھا وہ ہٹ گیا۔ اور تب اس تصنیف میں مستغرق ہو گئے۔ جس کا نتیجہ سری مدبھاگوت تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب کی تصنیف کے بعد بیاس جی کو راحت حقیقی اور تسکین قلبی حاصل ہو گئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔

(۴) اگر والمیک جی نے رامائن لکھ کر سری راجہ رامچندر جی کی مورتی گھر گھر میں بٹھا دی تو بیاس جی نے بھاگوت کے ذریعہ سری کرشن جی کی مہر ہر ایک صفحہ دل پر لگا دی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوؤں کے سینہ و دل کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں یا بن گئے ہیں کہ اگر دونوں کا نہیں تو دونوں میں سے ایک کی تصویر تو ضرور نقش ہوتی ہے۔ کون ہندو ہے جس کی آنکھوں کے سامنے سری رامچندر جی کا نام سنتے ہی اوصاف حمیدہ کی تصویر نہیں پھر جاتی جوان کے بے لوث زندگی سے وابستہ ہیں، یا جو سری کرشن کی بچپن کی محبت۔ جوانی کی شجاعت۔ اور بعد جوانی کی روحانیت کا شیدائی نہ ہو۔

(۵) پنجاب تو عرصہ تک مغربی حملہ آوروں کی جولانگاہ رہنے کے باعث ان اثرات سے کمتر متاثر رہا، اور سکھ مت یا خالصہ پنتھ کا حامی ہو گیا، مگر کہا جا سکتا ہے کہ شمالی ہند میں اودھ بہار زیادہ تر رام اُپاسک، اور بنگال اور علاقہ برج کرشن اُپاسک رہے ہیں۔ اس بیان کی تصدیق چاہتے ہوں تو ان جاتریوں کی تعداد اور جائے سکونت پوچھ لیجئے، جو آئے سال رام نومی اور دسہرہ کے دن اور دیوالی کی رات کو، اجودھیا، چتر کوٹ یا رامیشورم میں جبہ سائی کرتے ہیں، یا جنم اسٹمی ہولی، یا برسات کی، تیجوں کے ایام میں متھرا بندرا بن، گوکل اور دوارکا کا طواف کرتے ہیں۔ اگر اس سے بھی یقین نہ آئے تو دیکھئے، والمیکی اور تلسی رامائن اور بھاگوت، پریم ساگر اور سور ساگر کی کتنی جلدیں شایع اور فروخت ہوتی رہتی

ہیں۔ کوئی گانوں ہے جس میں راماین مہا بھارت یا بھاگوت کی کتھا نہیں ہوتی؟ رام لیلا اور کرشن لیلا (راس) کہاں کہاں رائج ہیں اور ان میں کتنے مرد و زن راسخ الاعتقادی سے شامل ہوتے ہیں۔ رام چندر جی اور کرشن جی کی مورتیاں کتنے مندروں مسیں براجمان ہیں۔ اور ان میں کتنے مرد و زن صبح شام نقد دل چڑھاتے ہیں۔

یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔ اگر ہندی لٹریچر کے مرکز ڈھونڈھیں گے تو ان ہی دو ناموں کو پائیں گے۔ سولھویں صدی میں رامانند سوامی اور گوسائیں تلسی داس جی نے رام اوتار کو اور بلبھاچاریہ اور سور داس جی نے کرشن اوتار کو لے کر ان پر وہ زور زبان و قلم دکھایا کہ سیکڑوں شاعروں کو اس میدان میں کھینچ لائے جنہوں نے ہندی زبان میں بھگتی کی روح پھونک دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رام کہانی کرشن لیلا جز و محاورہ روزمرہ ہو گئے ہیں۔ ہندو ناموں کو لے لیجئے۔ دیکھئے رامچندر۔ سیتارام۔ کرشن لال۔ رادہا کشن۔ گوپال چند۔ رامابائی۔ کرشنا دیتی۔ کیسے عام پسند نام ہیں۔ کتنے نام رام یا کرشن سے شروع اور ان پر ختم ہوتے ہیں غرضیکہ جب شاعر نے کہا ؎

درکشور ہند چوں بدیدیم چپ و راست ازرام وکرشن ہر طرف صوت صداست

تو اس نے واقعہ کی بنا پر کہا تھا۔

(۶) آجکل تو زمانہ کی ہوا بدلی ہوئی ہے۔ بزرگان سلف کی تعریف کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے سُست اعتقادی۔ لامذہبی اور دہریہ پن کا دور دورہ ہے تاہم یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ باوجود ناموافق حالات کے کم از کم ہندو قوم کے دل و دماغ سے سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کا نقش ہنوز محو نہیں ہوا۔ تہوار رام نومی اور جنم اسٹمی ابھی تک ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک منایا جاتا ہے۔ غرضیکہ سری رامچندر جی اور سری کرشن جی دونوں کو ہندو

تصور نے وشنو کا اوتار بنا دیا ہے اور یہ عظمت و شان سوائے بدھ بھگوان کے اور کسی انسان کو جس نے ہندوستان میں جنم لیا نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ جس ملک میں بکرماجیت اور اشوک جیسے چکرورتی راجے مہاراجے۔ درو، وششٹھ۔ ویاس۔ وشوامتر سے رشی منی۔ اور شنکر آچارج۔ ولبھ آچارج جیسے سوامی، راج پاٹھ کر چکے ہوں۔ جن کے آگے ہزاروں لاکھوں آدمی سرِ نیاز خم کرتے تھے، اور جو آج تک خراجِ عقیدت وصول کرتے ہیں، ان کو چھوڑ کر ان چھتری راجپوتوں کو یہ مرتبہ بلند اور درجہ ممتاز کیونکر حاصل ہو گیا؟ ان کی ذات خاص میں کوئی خوبیاں تھیں۔ یا ہندو قوم میں کوئی خصوصیت نہ تھی جس نے ان خوش قسمت افراد کو یہ امتیاز بخش دیا؟ یا کوئی اور وجہ ہے؟ سری کرشن جی کی مثال لے کر ہم ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

(۸) ہندو قوم کا بچہ بچہ سری کرشن جی کے حالاتِ زندگی سے کم و بیش آشنا ہے۔ بھادوں کی جنم اسٹمی کی آدھی رات کو قید خانہ میں جنم لیا بخوف کنس واسدیوجی نے ان کو چھاج میں رکھ کر جمنا پار لے جا کر جسودھا جی کے حوالہ کیا۔ یہاں گوکل میں نند جی کے ہاں پرورش پائی۔ بچپن میں ۱۲ سال کی عمر تک گوال پال اور گوپیوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں مناتے رہے۔ پھر پاپی کنس کی طرف متوجہ ہوئے اس کو شومی اعمال کی پاداش دی۔ بعد ازاں رکمنی دست بھایاں وغیرہ سے شادی کی۔ جراسندھ کو شکست دی دریودھن اور کرن کو ہر چند سمجھایا کہ یدھشتر کو قدرے قلیل راج کا حصہ دیدیں۔ مگر جب دریودھن نے ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی۔ تو پانڈوں کی مدد پر قایم ہوگئے۔ اور جنکو نشکام کرم کا اپدیش دیکر آمادہ کارزار کیا۔ اور دریودھن کو کوروکشیتر کے میدان جنگ عظیم میں شکست فاش دی۔ یدھشٹر کو راج گدی پہ بٹھایا۔ اشومیدھ یگ کرایا۔ اسی طرح اور کئی فتوحات حاصل کرکے اور اپنا سکہ ہر

طرف جا کر تارک الدنیا ہو گئے۔

(۹) مذکورہ بالا واقعات اگرچہ اپنی اہمیت و عظمت کے لحاظ سے قابل وقعت و لایق یادگار ہیں۔ مگر ماننا پڑتا ہے کہ ایسے نہیں ہیں جن کی بنا پر ایک نبی نوع انسان کو ایک ملک و قوم اپنا مرکز عقیدت بنا کر وہ رتبہ بلند دے۔ دے کہ اس کی مورتی ہندوستان بھر کے مندروں میں برہما و مہیش دیوتاؤں کے برابر جگہ پاوے، بلکہ خود وشنو کی مورتی مانی جاوے تو کیا یہ راز سربستہ ہے جو کھل نہیں سکتا؟ اور اس کے لئے کہ

"کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا"

کہکر خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔ یا بمصداق وتعز من تشاء و تذل من تشاء ہم کو اس پر اکتفا کرنا چاہئے کہ قضائے الٰہی کا یہی فیصلہ تھا" پرمیشور کی اچھا یہی تھی"... سلسلہ علت و معلول کی آخری زنجیر اس مرحلہ پہ ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے اس عالم اسباب میں اگر ہم عقل کی مشعل سے کام لیں اور غور و خوض کے عصا کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں تو معلوم ہوگا کہ ایک نتیجہ کے بالعموم کئی اسباب ہوتے ہیں، اور ان اسباب کے سلسلہ کو ہم کافی دور تک دریافت کر سکتے اور ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۱۰) زبان خلق کو نقارۂ خدا کہتے ہیں۔ اگر کسی ایک شخص کو نہ صرف اس کے ہمعصر بلکہ بعد کی نسلیں بھی عزت و احترام سے یاد کریں تو ضرور ہے کہ اس شخص کی ذات میں اوصاف واجب التعظیم کا مابہ الامتیاز ایسا مجموعہ ہو۔ جو اس قوم و ملک کے معراج سے مطابقت یا مناسبت رکھتا ہو۔ یہ معیار عام ہے جو دنیا کے ہر حصہ میں کام دیسکتا ہے۔ اس کے ذریعہ آپ بدھ بھگوان زرتشت۔ کنفوشس حضرت عیسیٰ مسیح۔ حضرت محمد صاحب ہر ایک کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی بنا پر ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ سری کرشن جی کو اوتار تصور کرنے کی کئی وجوہات تھیں جن کو ہمارے نزدیک دو بڑے حصص منقسم کر سکتے ہیں۔

اوّل۔ سری کرشن جی کی ذات بابرکات میں امتیازی صفات انسانی کا اجتماع یعنی جسمانی۔ دماغی، واخلاقی اور روحانی فضیلت وکمال۔

دوئم۔ ہندو قوم کے دل ودماغ کی خصوصیت، جس نے ان اوصاف انسانی کو نصب العین بنانا منظور کیا۔

(۱۱) یوں تو ہر فرد بشر اپنے باپ کا بیٹا، اور اپنے زمانے کا پتلا ہوتا ہے۔ اس کے اعضا وقوائے بالعموم آبا واجداد سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ اور بمصداق "الدہر افصح المودبین" زمانہ یا تجربہ اس کو سکھاتا رہتا ہے مگر اس میں نکتہ یہ ہے۔ کہ انسان محض گوشت پوست ہڈی پسلی کا ہی کھلونا نہیں ہے۔ جو اپنے والدین کے سانچے میں ڈھل کر بنا ہو۔ یہ بہت درجہ تک ان تمام محسوسات۔ خیالات۔ خواہشات۔ جذبات اور تصورات کا پتلا ہوتا ہے جو اس کے آبا واجداد کے دل ودماغ میں موجزن رہے تھے۔ اور بعد ازاں اس پر ان تمام واقعات وتخیلات کی چھاپ لگتی رہتی ہے جو اس پر اور اس کے ابنائے جنس پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔

(۱۲) واسدیو کو روشن دماغ اپنے والد وسدیو جی سے ملا تھا اور دیوکی نندن میں چاہئے تھا کہ نہ صرف حسن وجمال بلکہ قوائے روحانی کا کمال موجود ہو۔ اور ایسا پوت اس قابل ہونا چاہئے تھا کہ اپنے والدین کو عمر قید سے رہائی دلاتا۔ اور ظالم و زبردست کنس کا نام حرف غلط کی طرح مٹا دیتا۔ اس مہم کے لئے غیر معمولی قوائے جسمانی واخلاقی درکار تھے جن کو والدین کی شبانہ روز دعاؤں نے عالم وجود میں پیدا کیا۔

(۱۳) جسودھا جی نے وہ جوش قربانی ثابت کر دکھایا تھا، کہ جس کی دنیا کی تاریخ میں صرف ایک اور روشن مثال ملتی ہے اور وہ بھی راجستھان میں۔ کہ ماں اپنی کوکھ جائے بچے کو موت کے منہ میں ڈال دے اس غرض سے کہ دوسری عورت کے بچہ کی جان بچ جائے۔ اسی جسودھا میا کا دودھ پی کر جو لال پلے وہ چاہئے کہ ایثار نفسی کی اعلیٰ

ترین مثال ہو۔

(۱۴) ہندوستان کو شاعروں نے جنت نشان بنایا ہے۔ بہرحال اس میں دواب گنگ وجمن سب سے زیادہ زرخیز ہے اور اس میں بھی علاقہ برج کو خاص فضیلت حاصل رہی ہے۔ اس کی زبان برج بھاشا ٹکسالی زبان کہلائی۔ اسی کے قریب اندر پرست کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو ہندوستان کا مرکز قرار پایا۔ اس علاقہ میں جنگل بن بکثرت تھے۔ جن میں سے بندرابن۔ موربن۔ مادہوبن مشہور ہیں۔ ان بنوں میں بیشمار گائیں چرا پھرا کرتی تھیں۔ نند جی کی طرح ایک ایک اہیر مہر بڑ گوجر کے پاس سیکڑوں گئوئیں ہوتی تھیں یہی ان کی دولت تھی۔ دودھ۔ دہی۔ مکھن۔ گھی کی بہتات کا یہ حال تھا کہ پانی کی بجائے لوگ دودھ یا چھاچھ پیتے تھے۔ اجنبی مسافر کی خاطر بھی دودھ چاول سے ہی ہوتی تھی۔ ہولی کھیلنے کو دودھ اور دہی میں ہلدی یا ٹیسو کا رنگ ملاکر اُچھالتے تھے۔ اور ایک دوسرے پہ ڈالتے تھے۔ چنانچہ دودھ کاندوں کی رسم اسی وقت کی یادگار ہے۔ نند جی کے گھر میں جو بالک پلے اس کو دودھ دہی اور مکھن کی کیا کمی تھی۔ اگر خوراک اور جائے بود و باش کا اثر جسم کے نشو و نما پہ ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نندلال کے قوائے جسمانی مضبوط نہ ہوتے۔

(۱۵) غرضیکہ سری کرشن جی بچپن ہی سے، بمصداق "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" غیر معمولی طور پہ تندرست۔ مضبوط منچلے۔ چنچل۔ ہنس مکھ، نہ صرف جسودھا میا کے لال، بلکہ گوکل کی گوپیوں کے گوپی چند اور ان کی آنکھوں کے تارے بنے ہوئے تھے سورداس جی نے اپنی شاعرانہ بلاغت کا کمال سری کرشن جی کے بچپن کے دل خوش کن حرکات کے بیان میں دکھایا ہے۔ کہیں چاند کو پکڑ منہ میں ڈالنے کو مچل رہے ہیں اور جب کٹورہ بھر پانی میں عکس دیکھ کر ہاتھ مارتے ہیں، تو متحرک ماہ پاروں کو دیکھ کر جھجک جاتے ہیں۔ کبھی چھپ چھپا کر مٹی کھا آتے ہیں۔ اور جسودھا میا کی دھمکی پر اپنا ننھا سا

مُنہ کھول دیتے ہیں۔ ذرا بڑے ہوکر مکھن کی دھن لگتی ہے۔ جو مکھن جسودھا میا کہہ کہہ کر دے اس میں وہ لُطف کہاں جو چھین جھپٹ کر لیا جائے وہ بچپن ہی نہیں جس میں چلبلا پن نہیں۔ جب تک نٹ کھٹ موہن کھٹ پٹ نہ کرلیں۔ گوکل کی گوپیوں جسودہا کی سہیلیوں سے لوٹ مار کر مکھن نہ اُڑا لاویں۔ تب تک ماکھن چور کو چین کہاں جب کہیں پکڑے جاتے۔ تو کسی نہ کسی بہانے سے کسی کو ہنسا کسی کو ڈرا کسی کو بیوقوف بنا۔ صاف نکل جاتے تھے۔ غرضیکہ بقول نظیر "کیا کیا کہوں میں کرشن کنھیا کا بالپن" اگر نبی نوع انسان کے لئے نہیں تو بہرحال ہندوستان کے لئے تو یہ عالم طفولیت کی مکمل تصویر ہے

(۱۶) یہی حال ان کے عنفوان شباب کا پایا جاتا ہے۔ سرو قد بلند پیشانی۔ فراخ سینہ آہو چشم۔ نشہ محبت میں سرشار تھے۔ سانولے رنگ پر پیتامبر خوب کھلتا تھا۔ گھنگروالے بالوں پر مورمکٹ سجا۔ چھیل چھبیلے۔ رنگ رنگیلے۔ کرشن کنہیا مرلی بجیا۔ جب کبھی اپنی بانسری کی کوک یا رسیلی آواز کی پکار لگاتے تو جنگل بن گونج اٹھتے۔ جمنا جی لہرانے لگتیں، گئوئیں گردن اُٹھا، کان دھر، ایک لمحہ آواز کا رُخ پہچان، اپنے گوپال کے پاس اُچھلتی کودتی دودھ دیتے آموجود ہوتیں گوال بال جو جنگلوں میں گئوئیں چرانے پھرتے تھے، اپنے برندابن مراری سروت کاری گردھاری کے پیچھے پیچھے ہو لیتے اور گوکل کی گوپیوں کے دل بیقرار ہو جاتے۔ اور رادہا جو سو جان سے اپنے من موہن پر قربان تھیں جہاں کی تہاں انہیں کے دہیان میں کھڑی کی کھڑی رہ جاتیں۔ مردانہ حُسن وشباب عشق و محبت کی تصویر بھی ہندوستان کے شاعروں اور مصوروں کو کرشن کنہیا سے بہتر نہیں ملی۔

(۱۷) اسی طرح دلیری۔ بہادری۔ جوانمردی۔ اولوالعزمی اور فنون سپہ گری میں بھی سری کرشن چندر یگانہ روزگار تھے۔ جیسے بچپن میں ان کو رونا نہیں آتا تھا ویسے ہی بڑے ہوکر خوف سے وہ قطعی ناآشنا تھے۔ بہت سی روایتیں ان کے

غیر معمولی نڈر منچلے ہونے کی مشہور ہیں۔ ابھی دودھ پیتے بالک تھے کہ سیہ کار پوتنادائی کا ناک میں دم کردیا۔ ڈھیٹھ کوے کو بے دھڑک پکڑ کر چیر ڈالا۔ کالے سانپ کو ناتھ لیا۔ اب کنس کی باری آئی۔ کنس کو مارنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تھا۔ وہ ایسا غاصب تھا کہ اپنے باپ کے راج پاٹ کو چھین آپ راجہ بن بیٹھا تھا۔ وہ ایسا سفاک تھا کہ اپنی سگی بہن اور بہنوئی کو عمر قید میں ڈال کر ان کے سات بچے یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالے تھے۔ رعایا کا اس کے ہاتھوں ناک میں دم تھا لیکن وہ ایسا جابر تھا کہ کسی کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ چوں تک کر سکے بڑے سے بڑے جنگجو بہادر بھی اس پہ ہاتھ اٹھانے کا نام لیتے کانپتے تھے یہ سری کرشن چندر ہی کا کام تھا کہ ہاتھیوں کو ہٹاتے دشمن کی صفوں کو چیرتے چشم زدن میں کنس کو جا پچھاڑا اور اسکا سر قلم کردیا۔

(۱۸) ان کے عالم باعمل اور رہبر کامل ہونے کا ثبوت گیتا سے ملتا ہے جس میں رشی ویاس نے بتایا ہے کہ ارجن کے شکوک کو کس لیاقت اور خوش اسلوبی۔ کس فصاحت۔ بلاغت اور ہمہ دانی سے رفع کیا ہے۔ اس کا تذکرہ بخوف طوالت چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو فلسفہ نشکام کرم اس گفتگو کے دوران میں سری کرشن کو منسوب کیا جاتا ہے وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کو ہندوستان کے فلسفہ کا عطر کہیں تو بجا ہے۔ اس کی شان میں جو تعریف کی جائے وہ روا ہے۔ اگر تمام شاستروں کو بہئیت مجموعی گائے سے تشبیہ دی جائے تو یہ کہنا چاہیئے کہ گوپال نندن نے اس کو دوہ کر گیتا کا دودھ ارجن کو پلا دیا۔

(۱۹) بچپن جوانی اور بوڑھاپے کی مکمل تصویر کا ایک زندگی میں پایا جانا کچھ کم وزنی امر نہیں ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ سمجھنا بھی دشوار نہیں رہتا کہ کیوں ایسے شخص کو ملک و قوم مرتبہ بلند نہ دے۔ مگر جب ہم ذرا نظر نکتہ رس سے کام لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن جادو رلئے میں علاوہ اوصاف ظاہری کے

اخلاق باطنی بھی بدرجہ اتم موجود تھے۔ ان کی طبیعت میں استغنا تھا۔ ان کی محبت وفا کیشی تھی اور ان کی ہمت میں بے غرضی۔ ان کی جوانمردی میں خود ضبطی تھی اور اولوالعزمی میں احتراز از خونخواری مگر سب سے بڑھکر جو بات تھی وہ یہ کہ ان کے تمام حرکات وسکنات۔ اقوال وافعال میں ایک زبردست روحانی طاقت پنہاں وعیاں تھی جسکو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ کوئی اس کو کشف وکرامات کہتا ہے۔ کوئی اعجاز یا خرق عادات۔ ہم اس کو چند مثالوں سے واضح کریں گے۔

(۲۰) مسنمنتک لعل کی کہانی طویل ہے۔ یہ لعل بے بہا شترو جیت کو کہیں سے مل گیا تھا اور بلحاظ وزن وآب وتاب اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کی تعریف میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا جاتا تھا۔ اعتقاد تھا کہ جو اس کو زیب گلو کرے وہ سانپ بچھو کے گزند اور ہر قسم کی بیماری اور آسیب سے محفوظ رہتا ہے اور اس کو زمین میں رکھ کر آٹھ من سونا جب چاہئے نکال سکتا ہے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ یہی مشہور معروف کوہ نور ہیرا ہے جو یدھشٹر کے زمانہ سے ہندوستان کے شہنشاہ کے تاج کو زیب دیتا رہا ہے۔ سری کرشن جی نے شترو جیت سے کہا تھا۔ کہ یہ ہیرا اگر سین کے شایاں ہے۔ اس کو دیدو۔ اور شترو جیت نہیں مانا تھا۔ کچھ عرصہ بعد شترو جیت کا بھائی پیرسین اس ہیرے کو گلے میں ڈالے ہوئے سری کرشن جی کے محل کیجانب سے شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ اور خود شیر کا شکار ہو گیا۔ دشمنوں اور حاسدوں نے اتہام سری کرشن پر لگایا۔ کہ چاہتے آپ تھے نام اگرسین کا رکھتے تھے۔ اب موقعہ ہاتھ آیا پیرسین کو مار خود ہیرا اُڑا لیا ہے۔ اس تہمت ناروا کی تکذیب کے لئے اور اس لعل کو خونخوار درندوں کے منہ میں سے نکال لانے یا غاصبوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے سری کرشن جی نے جو جو مہمات سرانجام دیں۔ جس طرح اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے رہے۔ اس کی تفصیل مہابھارت کے موسل پرب کے تیسرے ادھیائے

میں درج ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اس الماس عالمتاب کی طرف سے جس کے حصول کے لئے بڑے بڑے تاجدار ہر قسم کی جد وجہد اور مکر وفن سے کام لیتے رہے ہیں۔ سری کرشن نے اس درجہ استغنا ظاہر کیا کہ لوگ عش عش کر گئے۔ اور باوجود اصرار متواتر کے اس کے لینے سے قطعی انکار کیا۔

(۲۱) جنگ مہابھارت سے پہلے دریودھن کو اخیر دم تک یہی گمان رہا کہ زر و جواہر ہاتھی گھوڑے۔ ساز وسامان بیش بہا دے دلا کر سری کرشن جی کو پانڈوں کی طرفداری سے توڑ لے گا مگر اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہاں ٹیڑھی کھیر ہے۔ ان تمام سامان دنیوی جاہ وحشم کو لات مار کر اور دریودھن کی خاطر ومدارات پر تف کرکے سری کرشن جی نے غریب بدرجی کے گھر ساگ کھا کر گزارہ کیا۔

(۲۲) جب سری کرشن جی کنس کے مقام پر متھرا میں وارد ہوئے تو ہر طرف ان کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لوگوں کی نظریں بطور خیر مقدم فرش راہ تھیں۔ واسدیو کرشن جی آگے آگے، اور ان کے بھائی بلدیو جی اور ہمراہی جاں نثار پیچھے پیچھے، بڑی آن بان سے جا رہے تھے۔ کہ آگے سے ایک کریہہ منظر کوزہ پشت عورت سر پہ پوجا کی ساگری کا تھال لئے، راج محل کی طرف جاتی ملی۔ ان کو دیکھتے ہی وہ ٹھہر گئی تھال زمین پر رکھ۔ سری کرشن جی کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور ان پر اپنا سر رکھ دیا۔ پھر بھگتی بھاؤ سے ان کی پوجا کا۔ آرتھ لیا،۔ اور چندن کا تلک لگانے کو آگے بڑھی، اور کہنے لگی "ہے شام سندر۔ دھن ویال۔ کرپال۔ ویاندھ ما میں پاپن اب تک کنس کی داسی رہی میرے دھن بھاگ ہیں کہ آج آپ کے درشن ہوئے۔ میرا جنم سپھل ہو گیا" اب وہی مدھو سودن کنس نکندن ہیں کہ بمصداق "بس میں ہیں بھگوان بھگت کے" سر بازار کھڑے ہیں، اور چندن کا کھورا اپنے ماتھے پر ان انگلیوں سے لگوا رہے ہیں جن کو اور کوئی شخص شاید پاؤں چھونے کی بھی اجازت نہ دے۔

اور جب نشہ خوشی میں چور، اور وفور عقیدت سے مسرور، کی جانے کی درخواست مزید کی تو بلا تکلف اس کی جھونپڑی میں بھی جا کر اس کی قدر و منزلت کو آسمان تک پہنچا دیا اس کی جا پر جو نظر عنایت ہوئی وہ ضرب المثل ہو گئی۔

(۲۴) سداماں جی کی کتھا اس سے کم دلچسپ نہیں۔ سداماں اور کرشن چندر شاندوپین گورو کے چیلے تھے۔ سداماں غریب برہمن تھا۔ فاقوں سے گزرتی تھی۔ عیالدار بھی تھا۔ فاقے سے پڑا رہتا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتا تھا۔ ایک روز اس کی استری سوشیلا نے کہا کہ دو دن ہو گئے لڑکوں کے پیٹ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا، تم کو تو سنتوش ہے، مگر بچے بن کھائے نہیں رہ سکتے۔ کچھ ہمت کرو۔ ہاتھ پیر ہلاؤ۔ اور کچھ نہیں تو کرشن چندر ہی کے پاس جاؤ۔ ان کا ٹھاٹھ تو راجوں مہاراجوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ وہی شاید کچھ تمہاری مدد کریں۔" سداماں جی بصد مشکل تیار ہوئے ایک پوٹلی چرووں (سوکھے چانولوں) کی بطور زاد راہ لے چل پڑے، دوارکا پہونچے تو ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ میلی کچیلی پھٹی پرانی ایک دھوتی زیب تن۔ سر پیر سے ننگے۔ قسمت کے مارے کی پوری تصویر تھے۔ اُدھر سری کرشن کے محلات کی یہ کیفیت تھی کہ آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ الماس و یاقوت سے مرصع دیواریں نیلم و عقیق کے دروازے۔ لعل بے بہا کے گنبد۔ چاندی کی کڑیاں سونے کے کلس سورج کی کرنوں میں جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سداماں نے ڈرتے ڈرتے اطلاع کرائی۔ کرشن چندر جی رکمنی جی کے ساتھ چوسر کھیل رہے تھے دوارپال سے سداماں کا نام سنتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دوڑ کر دروازے پر آئے۔ اور جھٹ سداما کو چھاتی سے لگا لیا اپنے ساتھ اندر لے آئے۔ اور سداماں کے انکار کرتے کرتے اپنے ہاتھوں سے ان کے پاؤں دھوئے اور ٹانگیں دابیں۔ سداماں عجیب شش و پنج میں تھے۔ حیران تھے کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا سری کرشن جی

گودو ہو کا ہوا ہے۔ اتنے میں ادھر اُدھر کی باتیں کر کے سری کرشن جی نے پوچھا کہ "کہئے بھابی جی تو اچھی ہیں ہمارے لئے کچھ سوغات ضرور بھیجی ہوگی" سداماں جی سوغات کا نام سنتے ہی سٹ پٹا گئے۔ بغل میں جو پوٹلی دبی ہوئی تھی، سنبھالنے لگے۔ سری کرشن جی نے جھٹ وہ پوٹلی بغل سے کھینچ نکالی اور ان سوکھے چیروں کا پھنکا مار لیا اور تعریف کرنے لگے کہ "واہ واہ کیسے اچھے ہیں" خلوص محبت اس کا نام ہے۔ سری رامچندر جی نے بھی بھیلنی کے بیر جو اس نے "چاکھ چاکھ میٹھے جان کر رکھ چھوڑے تھے، اور صدق دل سے پیش کئے تھے، اسی بے تکلفی سے کھائے تھے اور یہی ایسے مردان راہ خدا کی صفائی قلب کا ایک ثبوت ہے ؎

بھیلنی کے بیر سداماں کی تندل رُچ رُچ بھوگ لگایو
دریودھن کی میوا تیاگی۔ ساگ بدر گھر کھایو

(۲۴) سری کرشن مراری، بندابن بہاری، کو صرف محبت والفت۔ وفاداری کا ہی پتلا ماننا، ان کی شان عظمت سے غافل رہنا ہے جو ان کے دیگر کارہائے نمایاں سے صاف عیاں ہے۔ وہی چت چور کنور کنہیا جو رادھا جی سے ہرے ہرے بانس کی پوری واپس لینے کے لئے سو منتیں کرتے تھے۔ جب اپنے جلال میں کنس۔ جرا سندھ۔ ششپال۔ دریودھن کرن وغیرہ کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو کال روپ تھے یعنی دشمنوں کو خوفناک موت کی مجسم تصویر نظر آئے۔ جب پیغام صلح لیکر سری کرشن بحیثیت ایلچی دریودھن کے دربار میں آئے تو جنگ کے نتائج کا نظارہ انہوں نے اپنے بلیغ الفاظ میں دکھا کر سب کو دہشت زدہ کر دیا، اس وقت کرن نے سرگوشی کر کے دریودھن کو برانگیختہ کرنا چاہا کہ سری کرشن کو گرفتار کرے تب سری کرشن کھڑے ہو کر بولے "خبردار! جو کسی نے ہاتھ اُٹھایا" اور انگلی سے اشارہ کر کے کہا "دیکھو میں کون ہوں اور کہاں کہاں ہوں" اس پر سارے گوردوں کے دلوں میں دہشت سما گئی۔ اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ ان کو ہر طرف سری کرشن کی بھیانک

موہوتی نظر آنے لگی۔

(۲۵) جب تک کنس مرا نہیں تھا کون کہہ سکتا تھا کہ ایک نوعمر لڑکا، جو ابھی گئو ئیں چراتا پھرتا تھا، آکر آن کی آن میں اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اسی طرح دریودھن کرن کے صلاح مشورہ سے جب ہر قسم کے مکر و حیلہ سے پانڈوں کی بیخ کنی میں ناکامیاب رہا۔ جب جوئے میں ہار کر، بارہ برس بن باس میں، اور ایک برس بے نام و نشان رہکر، پانڈو لاکھا مندر سے بھی بچ نکلے، تو سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ یہ وقت امتحان کا تھا۔ ایک طرف دنیاوی جاہ و حشمت ساز و سامان، زر و جواہر، راج پاٹ سب کچھ دوسری طرف برعکس اس کے نہ دولت نہ ثروت، نہ راج نہ پاٹ، مانا کہ یدھشٹر کے بھائی ارجن فن تیر اندازی میں یکتا اور بھیم سین گدا یدھ میں بے ہمتا تھے، مگر ان کے مقابل میں کرن اور دریودھن بھی کچھ کم نہ تھے بلکہ کرن ارجن کو حقیر سمجھتا تھا اور دریودھن بھیم کو ذلیل بتاتا تھا۔ اگر سری کرشن پانڈوؤں کے حامی تھے تو انہی کے بھائی زبردست بلرام جی مع اپنے لاؤ لشکر کے دریودھن کے طرفدار تھے علاوہ اس کے ان سب کے گورو گھنٹال درونا چارج کرپا چارج بال برمچاری۔ بھیشم پتامہ، سب کوروؤں کے مددگار تھے۔ دریودھن اور کرن ہنستے تھے، اور کہتے تھے کہ پانڈو اس بے سرو سامانی کے ساتھ ہمارا کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور شاید اسوقت کی دنیا بھی یہی سمجھتی ہو گی مگر ایک سری کرشن جی ہی تھے کہ جنہوں نے ڈنکے کی چوٹ سے کہہ سنایا تھا کہ پاپی دریودھن کی ہار اور دھرم راج یودھشٹر کی جیت مجھ کو صاف نظر آ رہی ہے۔ یہ کوئی طلسم تھا یا اعجاز جو صرف سری کرشن جی کے پاس تھا۔ یہ کوئی منتر تھا یا گنڈا۔ جام جہاں نما تھا یا جادو جس کی مدد سے ان کو غیب کا علم ہو گیا تھا اور آئندہ کی پیشین گوئی ایسے دعوے کے ساتھ کرتے تھے۔

(۲۶) مہابھارت، بھاگوت اور گیتا کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ پرشوتم

سری کرشن علم النفس کے عالم اور فن تسخیر کے عامل تھے۔ ان کو نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے تخیلات و جذبات پر قدرت و دستگاہ حاصل تھی، ان میں برقی قوت جلالی اور مقناطیسی جمالی کا قوام معتدل تھا۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ مجھ میں یہ غیر معمولی طاقت موجود ہے وہ جس کو چاہتے ڈراتے جس کو چاہتے ہمت دلاتے تھے۔ کسی کو رلاتے کسی کو ہنسا دیتے تھے۔ کسی کو دریائے فکر میں غوطہ دیتے۔ کسی کو سرچشمہ الفت سے فیضیاب کرتے تھے۔ وہ ایک زبردست اصول پرست تھے۔ ان کا اعتقاد کامل تھا۔ کہ دہرم کے مقابلہ میں ادہرم۔ حق کے آگے ناحق۔ روشنی کے سامنے اندھیرا۔ کبھی نہیں ٹھہر سکتا جہاں دہرم ہے۔ وہاں فتح و نصرت خیر مقدم کو کھڑی ہے۔ پاپی کے مارنے کو پاپ یہاں ہی ہے۔ پس اس اصول قدرت کی بنا پر ان کو عین الیقین تھا کہ کنس دریودہن کرن وغیرہ مُنہ کی کھائیں گے اور تحت الثریٰ کو جائیں گے۔ اور ویسا ہی ہوا۔ یہی اعتقاد اعظم تھا جس کے حوصلہ پر بن باس سری رامچندر جی نے لنکاپت راون۔ کنبھ کرن اور اندر جیت میگھ ناتھ اور ان کی اسروں کی جم غفیر کا مقابلہ کیا تھا اور فتح کامل پائی تھی۔

(۲۷) یہ عین الیقین جب ایسے فرد بشر میں صورت پذیر ہوتا ہے جو قوائے جسمانی و اخلاقی سے مزین اور انوار روحانی سے مکمل ہو تب اس کو طبقہ انسانی سے بدرجہا بالاتر و بہتر بنا دیتا ہے اور اس کی قدر و منزلت ملائک سے بہتر کیونکہ اسکے ہر قول و فعل سے دین و ایمان ماسبق پر روشنی پڑتی ہے اور جدید اصولوں کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی نقطہ نگاہ سے پرشوتم سری کرشن بھگوان کو مافوق الانسان کہئے تو بجا ہے اسی معنی میں ان کا سولہ کلا سمپورن ہونا سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور یہی دعویٰ ہے جو سری کرشن جی کے الفاظ ذیل میں پایا جاتا ہے۔

چو بنیاد دین سست گردد بسے ۔۔۔ نمائیم خود را بشکل کسے

(۲۸) اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندوستان میں سری کرشن جی کی عقیدت کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے اقوال و افعال ہندوؤں کے مسلمہ اصولوں کے موافق یا مناسب تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو قیاس یہی چاہتا ہے کہ یا تو زمانہ و وقت ان کو لوگوں کی یاد سے بھلا دیتا اور ابتک کبھی کا ان کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔ یا اگر ان کے اصول زندگی ہندو دھرم کے منافی متضاد ہوتے تو ان کو وہ قبولیت عام میسر نہ ہوتی۔ جو ان کے ہمعصروں اور بعد کی نسلوں نے دی۔ اگر تواریخ اور روایات پر حصر کیا جائے تو امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن گوپال ان فرخندہ فال ہادیان راہ حق میں سے تھے جن کو ان کی زندگی میں ہی لوگوں نے سلاک قبول کیا

(۲۹) سری کرشن جی کے زمانہ میں عقائد مذہبی کیا تھے کن اصولوں کا عام چرچا تھا۔ کونسا فلسفہ دینی رائج تھا۔ چھ درشنوں میں سے کونسا مقبول عام تھا۔ لوگوں میں کونسا دیوی دیوتا زیادہ تر مانا جاتا تھا۔ ان سوالوں کے جواب بالتحقیق ہم کو معلوم نہیں ہو سکے۔ مہا بھارت اور بھاگوت میں تواریخی واقعات کیساتھ قصہ کہانیاں ایسے مخلوط ہیں کہ پتہ نہیں لگتا کہ مصنف اپنے زمانہ کے حالات بتا رہا ہے یا اپنے ممدوح کے وقت کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو ہندو دماغ نے اس قدر کم وقعت دی ہے کہ بسا اوقات ہزاروں سالہائے ماضی و مستقبل کے واقعات زمانہ حال میں بیان ہوتے ہیں۔ تاہم تواریخ لٹریچر فلسفہ ہند کے عالموں سے مخفی نہیں۔ ہے کہ زمانہ مہا بھارت سے پہلے ویدوں اوپنشدوں اور سمرتیوں کے کئی شارحین ہو گزرے تھے۔ جنہوں نے متعدد مسائل ادق کو اپنی روشن ضمیری سے مختلف طریقوں پر حل کیا تھا جیوآتما (روح حیوانی) اور پرم آتما (روح عالم) کی ماہیت کیا ہے۔ اور ان کا آپس میں کیا رشتہ و تعلق ہے۔ پرکرتی اور مایا کیا ہیں۔ ازلی ہیں یا ابدی۔ حادث ہیں یا قدیم ہیں؟ کرم (افعال) کون کرتا ہے۔ اور ان کا پھل (نتیجہ) کون بھوگتا ہے

اور کس طرح؟ آواگون (تناسخ) کے کیا معنی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں پر حضرت انسان ابتدائے تمدن سے سوچ بچار کرتے آئے ہیں اور غالباً ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ مگر جس قدر محویت ان مسائل ازلی اور رموز ابدی پر ہندو رشیوں منیوں نے صرف کی ہے وہ شاید ہی کسی اور طبقہ ارض پر کی گئی ہو۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندو قوم کے دماغ میں جیو آتما۔ پرم آتما۔ کرم اور آواگون کے اصول گڑ گئے ہیں، اور بطور اصول ہائے موضوعہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(۳۰) سری کرشن جی نے اسی بنا پر اپنی تعلیم و تلقین کی تعمیر کھڑی کی تھی۔ گیتا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابتدا میں انہوں نے جیو آتما کی ہستی بالذات تسلیم کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ نشکام کرم (یعنی افعال نیک بلا خواہش اجزا) سے جیو آتما آواگون کے پھندوں سے چھوٹ کر موکش یعنی نجات حاصل کرتا ہے۔ لیکن جب گیارہویں ادھیائے میں ویرات روپ دکھلا کر ارجن کو اپدیش دیا ہے، وہاں انہوں نے ویدانت کے اصول پر ایک عجیب و غریب رنگ چڑھا دیا ہے۔ گویا کتابی قالب میں روح پھونک دی ہے، اس مرحلہ پر آ کر اکثر فلسفی اعتراضات کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں یا حیرت کے دریا میں غوطہ کھاتے ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ سو میدھا سری کرشن کرم یوگی تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو نیکی اور بدی کی باریکیوں کے وسوسوں اور موشگافیوں سے ہٹا کر بےخوف و خطر میدان عمل میں آن کودنے کی تلقین دیتے تھے۔ وہ دھرم کی کشتی کو لایعنی فلسفہ کی دلدلوں اور شکوک کے بھنوروں سے دھکیل کر عین الیقین کی منجھدار میں لا رہے تھے۔ وہ منطق کے روکھے سوکھے ریتلے بیابان کے مسافر گم گشتہ کو عشق حقیقی کے گلزار میں کھینچ رہے تھے۔ گویا کہہ رہے تھے۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درا

سری کرشن لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ وہ دھرم میں زندگی اور زندگی کو دھرم جانتے تھے جس طرح زندگی میں نیرنگی ہے ویسے ہی دھرم میں بھی کم وبیش اختلاف لازمی ہے ہر مرحلہ ہر زمانہ کا دھرم جداگانہ ہے۔ بچہ۔ بوڑھا۔ عورت۔ مرد۔ بادشاہ۔ فقیر، سب ایک لاٹھی نہیں ہانکے جاسکتے" ایک برہمن جو جنگل میں ریاضت کر رہا ہے جس کو نہ شوق زندگی ہے نہ خوف مرگ جسکو جنگل کے درخت اپنے پھل پھول اور پاس کے ندی نالے یا چشمے اپنا شیریں پانی مہیا کرکے راضی برضا رکھ سکتے ہیں۔ اس کا دھرم ہرگز وہی نہیں ہوسکتا جو چکرورتی راجوں مہاراجوں کا ہوگا۔ بقول سعدیؒ وہ درویش در گلیمے بخسپند۔ ودو بادشاہ درا قلیمے نہ گنجند ؎

نیم نانے گر خورد مرد خدا بذل درویشاں کند نیم دگر
ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ ہمچناں در بند اقلیم دگر

ویاس جی نے سری کرشن جی کی سوانحعمری ہندو قوم کے آگے رکھدی جس سے راہ حق کے ہر مرحلہ ومنزل کا مسافر سبق حاصل کرسکتا ہے۔

(۳۱) اس تعلیم میں ایک جدت تھی جس نے ہندو دماغ کو روشن کیا اور دل کو تقویت دی۔ جس نے قانون قدرت کو ایک نئے رنگ میں دکھادیا۔ جس نے عالم الاسباب کا ایک نیا پہلو پیش کیا۔ ہندو قوم ایسے رہنما کو کیونکر بھول سکتی تھی؟

(۳۲) ہندوؤں نے بھی ایسے برگزیدہ روزگار کا حق ادا کیا۔ اور اس کی یادگار برقرار رکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ سری کرشن کی مورتیاں ہندوستان کے ہر گوشہ میں نہ صرف ہر مندر بلکہ گھر گھر میں رکھی گئیں۔ متھرا، برندابن، گوکل، بلکہ تمام علاقہ برج کو تیرتھ قرار دیا گیا۔ مصوروں۔ سنگتراشوں۔ کمہاروں۔ ٹھٹھیروں، بڑھیوں اور نقاشوں کی محنت وکاریگری کا ایک معتد بہ حصہ سری کرشن جی کی اشکال مختلفہ کے بنانے میں صرف ہوتا ہے۔ یہ مضمون ان کے فنون لطیفہ کا جزو لاینفک بنگیا ہے

سال میں کئی تہواروں پر سری کرشن جی کی کسی نہ کسی طریق سے پوجا ہوتی ہے۔ اور ان کی تعریف میں گیت بھجن گائے جاتے ہیں۔ بہت لوگ جے کرشن، رادھا کرشن، جے گوبند، وغیرہ ہجو قسم الفاظ سے ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور ہندو ڈراما کے لئے سری کرشن جی سے بہتر اور کونسا وجود مل سکتا تھا۔

سری رامچندر جی کے حالات زندگی پر بھی کئی ناٹک لکھے جاتے رہے ہیں[۵۱] مگر سری کرشن پر تو سنسکرت اور ہندی ڈراما مفتون ہی ہوگیا۔ اور بیسیوں ناٹک ایسے ملتے ہیں جن میں کرشن چندر کی کسی نہ کسی ہیئت کا نقشہ اُتارا ہے[۵۲]۔

(۳۳) سنسکرت کے علاوہ ہندوستان کی مروجہ زبانوں مثلاً ہندی بنگالی۔ گجراتی وغیرہ میں جو لٹریچر نظم و نثر میں اس مضمون پر لکھا جاچکا ہے وہ جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے[۵۳]۔ صرف ہندی زبان میں ہی سیکڑوں شاعروں نے اپنی شیریں زبانی اور سحر البیانی کے معرکے اس میدان میں مارے ہیں۔ گوکل کے بلبھ آچارج اور ان کے سے میٹھل ناتھ گوسائیں کے آٹھ چیلوں نے جو اشٹ چھاپ کے عرف سے مشہور ہیں یعنی کرشن۔ سورداس۔ پرمانند داس۔ کنبھن داس۔ چتر بھج داس۔ چھیت سوامی۔ نند داس معہ گوبند داس نے اپنی قادر الکلامی کے وہ کرشمہ دکھلائے ہیں کہ دنیا کے لٹریچر میں اگر آپ چراغ لیکر بھی ڈھونڈھیں گے تو مشکل سے پائینگے لفظوں میں جیتی جاگتی۔ بولتی چالتی تصویریں بنادی ہیں جو دل و دماغ میں کھپی جاتی ہیں۔

---

۵۱ مثلاً اوتر رام چرتر۔ ویر چرتر۔ ہنومان ناٹک انار گھراگھو وغیرہ ۵۲ مثلاً کرشن کوتی کا کنس بدھ تینکر دکشت کا پردیومن و جے۔ چندر شیکھر کا مدھورانیرودھ وغیرہ ہندی میں ودیا پت ٹھاکر کا رکمنی سوئمبر بھالو ناتھ جھا کا اوشا ہرن۔ ہر یشچند کا دھننجے و جے دامودر شاستری کا رادھا مادھو۔ بتیا کا مہابھارت۔

۵۳ ٹھاکر ودیاپتی جے دیو۔ اماپتی۔ میراں بائی۔ اگرداس۔ نارائن بھٹ۔ نابھہ داس۔ ہری ودا کر سوامی دہرو داس۔ تان سین۔ سید ابراہیم بہت ہری۔ ہنس سوامی وغیرہ تفصیل کے لئے دیکھو گریرسن صاحب کی

IDITION CHIP V PAGS 19 TO 50. 1889

(۳۴) ان سب کا مجموعی نتیجہ کہ سری کرشن کے تصور نے بجائے ایک انسان کی حیثیت رکھنے کے یزداں کا رنگ روپ اختیار کر لیا۔ اور کثیر التعداد ہندو مرد و زن جو معبود حقیقی کو قالب انسانی ہی میں پرستش کر سکتے یا کرنا چاہتے تھے کرشنا اوتار کے سیوک ہو گئے بلبھ آچارج اور میراں بائی نے علاقہ بیرج میں رادھا موہن ان چھوڑ کر اور چیتن گورنگ نے بنگال لڈوا گوپال انندلال کو اشٹ دیو بنا کر عشق حقیقی کا مزا لیا۔

(۳۵) روایت ہے کہ سورداس جی جب اپنی آنکھوں کا نور سری کرشن جی کی نذر کر چکے اور ان کی مدح ثنا کی نظم مجبوراً دوسرے کے ہاتھ سے لکھوانے لگے تو ایک مرتبہ ایک انجان لڑکا ان کے پاس آ گیا اور ان کے دوہے لکھنے بیٹھ گیا۔ پیشتر اس کے کہ لفظ شاعر کی زبان سے نکلے وہ قلمبند کر سکتا تھا۔ گویا زبان سے نہیں مصنف کے دماغ سے الفاظ اڑا لیتا تھا۔ جونہی سورداس جی کو اس کا پتہ لگا۔ تاڑ گئے کہ یہ معمولی لڑکا نہیں ان کے چت چور سری کرشن بھگوان آپ براجمان ہیں۔ جھٹ ہاتھ پکڑ لیا اور چلانے لگے کہ پکڑ لیا پکڑ لیا" مگر لڑکا ہاتھ چھڑا غائب ہو گیا۔ اس وقت سورداس نے اپنے وفور شوق و حرماں کا اظہار ان دلگداز الفاظ میں ظاہر کیا ؎

کر جھٹکائے جات ہو دُربل جانی موئے ہردے سے جو جاؤگے مرد بکھانوں تو

ہندو قوم کے دل و دماغ سے ایسا ہمہ گیر تصور آسانی سے محو نہیں ہو سکتا

(منقول از رسالہ کہکشاں) لاہور

مولانا عبدالماجد صاحب بی اے

مصنف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع وغیرہ

مختلف علوم و فنون نے ہر قوم میں یکساں مدارج ترقی نہیں طے کئے ہر قوم کا ایک مخصوص مذاق رہا ہے۔ جس میں اس نے غیر معمولی کمال حاصل کیا۔ اور جسکے

لحاظ سے اسے دوسری قوموں پر نمایاں تفوق و امتیاز حاصل رہا ہے۔ فلسفہ کی اشاعت ہر ملک میں ہوئی۔ لیکن یونان کی سی شہرت کسی کو نہ نصیب ہوئی۔ قانون ہر قوم نے وضع کیا۔ لیکن رومہ کی آب وہوا سے خاص طور پر راس آئی۔

ہندوستان کا مخصوص دائرہ عمل تصوف و روحانیات رہا ہے۔ یہاں اس فن کو جس حد کمال تک پہنچایا گیا۔ اس کی نظیر شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ملے گوتم بدھ کی تعلیمات تو تمامتر تصوف تھیں۔ خود ہندو مذہب میں طریقت کا عنصر شریعت پر غالب ہے۔ یہاں کے پیشوایان طریقت کا شمار غالباً کل دنیا کے رہبران شریعت سے کم نہیں۔

اردو کا یہ افلاس کس درجہ تاسف انگیز تھا۔ کہ اس میں اس موضوع پر برائے نام سے زیادہ مواد موجود نہیں۔ خواجہ صاحب مستحق تہنیت ہیں کہ انہوں نے اس میدان میں پیش قدمی کی۔ اور سری کرشن کے حالات زندگی پر ایک دلچسپ تالیف تیار کر دی جو اگرچہ مختصر ہے۔ تاہم اردو کی موجودہ سطح کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہے۔

سری کرشن ارباب طریقت کے ایک مسلّم و محترم پیشوا ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب بھی اس طایفہ عالیہ کے نام لیوا ہیں۔ ایک بڑی بارگاہ کے خاص متوسل ہیں اور ایک جماعت کثیر کے مُرشد و رہنما ہیں۔ ان سے زیادہ اس کام کی اہلیت کس میں ہونا چاہیے۔

یہ حسن اتفاق بھی روحانی رنگ میں کوئی معنی ضرور رکھتا ہوگا۔ کہ اس شخص کی تصویر زندگی بھی۔ جو رعنائی و زیبائی۔ لطافت و رنگینی کا پتلا ہوا ہے ایسے مصوّر کے قلم سے کھنچی۔ جو اردو لکھنے والوں کی صف میں اپنی رعنائی بیان اور البیلے پن کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔

حقیقت شناسی کی راہ میں حاملین شریعت ہمیشہ سب سے زیادہ حایل رہے ہیں ان کے نزدیک دوسروں سے بیگانگی بلکہ نفرت۔ عین ایمان ہے۔ اور تعصب وسیلہ نجات۔ خواجہ صاحب کی یہ اخلاقی جرأت قابل صد ستایش ہے کہ انہوں نے ایک ہندو بزرگ کی سیرت کو اپنا موضوع تصنیف قرار دے کر عملاً یہ دکھا دیا۔ کہ ایک سچے صوفی یا طالب حق کی نظر کفر و اسلام کے ظاہری و سطحی امتیازات سے بہت ارفع و برتر ہوتی ہے۔

لیکن سری کرشن کے حالات زندگی سے بدرجہا زاید ضروری یہ ہے کہ ان کی تعلیمات اُردو خواں جماعت کے سامنے تفصیل سے پیش کیجائیں۔ اُمید ہے کہ خواجہ صاحب اس جانب جلد سے جلد متوجہ ہوں گے۔ گو اس کام کی دشواریاں ایسی نہیں کہ اسے جلد ختم کیا جا سکے۔ گیتا کی ترجمانی کی ذمہ واری آسان نہیں۔ عبدالماجد

دیباچہ طبع اوّل
کرشن بیتی

آپ بیتی اور جگ بیتی، سب سنتے آئے ہیں، میں اُسی کی بیتی سُناتا ہوں جس نے ہندوستان والوں کو اپنی بیتی سمجھنے کی پرکھ سکھائی، جو جگ بیتی کی تصویر اُتار کر رکھ گیا۔ جس سے ہندوستانیوں کو اپنے جسم و روح کی زندگی کا راستہ معلوم ہوا۔

وہ آدمی تھا، آدمی سے پیدا ہوا تھا، اس نے آدمیوں کی مثل اس زمین پر عمر بسر کی تھی، طفلی میں کمزور تھا، شباب میں شہ زور تھا، بڑھاپے میں اس کا جسم بھی گھٹتا تھا اور عقل بڑھی تھی۔

میں نے سری کرشن جی مصنف گیتا کی بیتا لکھی ہے، وہ ہندو تھے، میں مسلمان ہوں

مگر میرے مذہب اسلام کی تلقین علم اور اہلِ علم کی محبت سکھاتی ہے، خواہ وہ کسی مذہب میں ہوا ور رہوں۔

سری کرشن جی کے اوصاف علمی وعملی سے اگر مسلمانوں کی قوم باعتبار جماعت کے بیخبر ہے یا خبردار ہے، تو اچھے خیالات ان کی نسبت نہیں رکھتی، اس کا الزام خود ہندوؤں پر ہے جنہوں نے سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پتلا بناکر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ انصاف کیا جائے تو سب ہندو بھی اس کے مجرم نہیں ہیں محبت بعض اوقات انسان کو گمراہ کردیتی ہے، ہندوؤں کے چند افراد سری کرشن کی الفت میں حد سے بڑھ گئے اور اپنی شاعرانہ بلند پروازی ان کی تعریف میں خرچ کرنے لگے۔ شاعری جذبات کی تصویر کو کہتے ہیں جیسے خلقت کے خود اپنے جذبات تھے وہی سری کرشن کی جانب منسوب کئے گئے یا سری کرشن کے اوصاف کو اپنی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ شروع میں ایک مختصر، اور محدود جماعت ان خیالات کی ہوگی اور سمجھدار علم والے طبقے ان عامیانہ باتوں کو نفرت وحقارت سے دیکھتے ہوں گے اور انہوں نے اس کی روک تھام کو یا تو اس وجہ سے فضول سمجھا ہوگا کہ عوام کے اعمال وعقائد جلدی فنا ہوجایا کرتے ہیں، یہ بھی چند روز میں مٹ جائینگے اور یا چھوٹوں کے منہ لگنا انہوں نے اپنی شان کے خلاف خیال کیا ہوگا اور اپنے علم وعقل کے رسوخ پر مطمئن رہے ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان عامیانہ خیالات نے جڑ پکڑلی، اور وہ خواص کے عمل پر بھی مسلط ہوگئے اور تمام قوم سری کرشن جی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے اور ایک ہی عقیدہ سے ماننے لگی۔ اور دوسری قوموں کی نظروں سے اپنے پاک آقا کو گرادیا۔

تو کیا اس کا الزام سب ہندوؤں پر عائد ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر زمانہ میں ایسے ذی علم ودانشمند ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت موجود رہی ہے جو سری کرشن کی

اصلی شان سے واقف تھی اور ان تمام خرافات کو خرافات ہی سمجھتی تھی۔ جو سری کرشن کی ذات سے منسوب تھیں، اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ غیر اقوام ساری ہندو قوم کو اس کا الزام نہ دیں کہ اس نے اپنے طاہر رہبر کو غلاظتوں سے آلودہ کر کے دنیا کے آگے رکھا۔

میری خواہش اس کتاب کی تصنیف سے یہی ہے کہ مسلمانوں کو سری کرشن جی کے اصلی حالات بتاؤں، اور ان کے پاکیزہ دماغوں کو ایک برگزیدہ آدمی کی نسبت بدگمان نہ رہنے دوں، جو قرآن شریف کی ہدایت کے خلاف ہے، جس میں ارشاد ہے (انّ بعض الظن اثم (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) میرا خیال و عقیدہ ہے کہ سری کرشن کو جاہل ہندوؤں اور بے اعتبار ہندو کتابوں کے عقائد کی بنا پر عیاش، فریبی، فتنہ پرداز سمجھنا حقیقت کے خلاف اور سخت گناہ ہے۔

میں اس ارادہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ یہ جب معلوم ہوگا کہ پڑھنے والے قومی تعصب سے الگ ہوں، اور انسانیت و سچے اسلام کی تعلیم انصاف سے متاثر ہو کر اس کتاب کو پڑھیں، اور اچھا نتیجہ نکالنے کا ارادہ رکھیں، کیونکہ نکتہ چینی اور اعتراض کی نیت سے جس چیز کو دیکھو ذہن کچھ نہ کچھ خرابی اس میں دکھا سکتا ہے۔

بقول حضرت اکبر الہ آبادی ؎

یہ اختلاف صورت فطرت کی مستیاں ہیں ۔۔۔ یہ انکشاف معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

یہ ظاہر کرنا تعلّی نہیں ہے کہ میں بیس برس سے ہندوؤں کے علم دین، اور معاشرت کا مطالعہ کر رہا ہوں، اور مجھ کو ایک حد تک ان کی دینی دنیوی خصائل کے سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ علم دین کے مطالعہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے سنسکرت پڑھی ہے، یا ہندوؤں کی علمی کتابوں پر عبور کیا ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ میں نے خود ہندوؤں کو پڑھا ہے، ان کے رسم و رواج کو پڑھا ہے اور یہی ہندوؤں کی ایسی کتابیں ہیں جو ہر زبان والے کی سمجھ میں آسکتی ہیں یعنی

خود ہندو اپنی تاریخ، اپنے دین، اپنے تصوف اور اپنی معاشرت کی کتاب ہیں ان کو مطالعہ کرنا کاغذی کتابوں کے مطالعہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔

سب اعتراضوں کا ایک جواب ہے ہندوؤں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انکو تاریخ لکھنی نہ آتی تھی، اصول معاشرت سے بیخبر تھے کھانا، پینا، رہنا، سہنا آجتک وحشیانہ ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اعتراض ہیں جن کے جواب آجکل کے تعلیمیافتہ ہندو خصوصاً آریہ سماجی مختلف اخباروں، اور مختلف کتابوں مختلف تحریروں و تقریروں میں دیا کرتے ہیں، اور اپنا بیشمار وقت ان بحثوں میں برباد کرتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو اس میں مصروف رہنے اور کاغذوں کو سیاہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ سب اعتراضوں کا ایک اصولی جواب خود ان کی قومی ہستی ہے جو خارج از حساب زمانہ سے موجود ہے ہندوؤں کو بھی زمانہ کی چکی نے بار بار پیسا ہے۔ ہندو بھی انقلاب ایام کے ہنڈولے بیشمار نشیب و فراز کے تماشے دیکھ چکے ہیں۔ ہندوؤں نے ساری دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی برابر بلکہ شاید کچھ زیادہ حوادث و تغیرات عالم کا امتحان دیا ہے، مگر وہ رومیوں، مصریوں، یونانیوں اور دوسری نامور قوموں کی طرح بالکل فنا نہیں ہوئے۔ کتابیں اگر فنا ہو گئیں، ہو جانے دو، ہندو کتابوں کے محتاج نہ تھے کتابیں ہندوؤں کی محتاج تھیں جیسے کہ ہر قوم کی کتابیں ہی محتاج ہوا کرتی ہیں قومیں کتابوں کو زندہ کیا کرتی ہیں، کتابیں قوموں کو زندہ نہیں کر سکتیں۔

آج ہندو کروڑوں کی تعداد میں زندہ ہیں، ان کا دین گو بگڑ گیا ہے مگر فنا نہیں ہوا، اور خود ہندوؤں کی بولتی ہوئی کتابوں میں موجود ہے۔

ہندوؤں کو کھانا، پینا، رہنا سہنا نہیں آتا، وہ وحشی، جنگلی ہیں تو جن کو یہ کام آتے تھے، جو بڑے شائستہ، مہذب تھے، وہ کہاں ہیں ان کو ذرا دکھاؤ۔ کیا شائستہ مصری باقی ہیں؟ کیا مہذب رومی موجود ہیں؟ کیا سلیقہ مند یونانی اپنی شان گزشتہ پر

برقرار ہیں؟ نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں۔ مگر ہندو ہیں، آؤ دیکھو تو سہی اعظم ہندوستان میں ان کو دیکھو تو وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں، لہذا ایسی جہالت۔ ایسی وحشت، ایسا جنگلی پن قابل اعتراض نہیں ہے، جو زندہ رکھے، اور ایسی تہذیب و شایستگی کی تعریف فضول ہے جس کے عامل ناپید ہو گئے ہوں۔

میں نے ہندوؤں کو اُس نگاہ سے پڑھا ہے جو کتاب کی محتاج نہیں، مجھ سے ہندو کتابوں کی فہرست نہ پوچھو، وہ یورپ کے چھاپہ خانہ میں ملیگی، جو سمندر پار بیٹھ کر چھاپی گئی ہے، مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں ہندوؤں کے کتابی علم کا عالم ہوں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ میں نے ۲۰ برس ہندوؤں کے ذریعہ ان کے دین دُنیا کے مطالعہ میں صرف کیئے ہیں، میں ایک جھولی۔ ڈنڈا کمبل لیئے ہوئے متھرا، بندرابن گوکل میں پھرا ہوں کہ سری کرشن جی کے مقام پیدائش و پرورش و عروج کو پڑھتا رہا اور ہردوار میں، اجودھیا میں، بنارس میں گیا، میں خاص یکسوئی و تنہائی کی حالت سے خاک کے فرش پر پتھر سرہانے رکھ کر سویا کیا، کیا میں ہندو ہو گیا تھا؟

نہیں، جب بھی مسلمان تھا، اب بھی مسلمان ہوں، اور خدا نے چاہا مرتے دم بھی مسلمان رہونگا۔ میں اپنے مذہب اپنی معاشرت، اپنے رسم و رواج پر قایم تھا، قایم ہوں، قایم رہوں گا۔

میں نے یہ تفتیش کیوں کی؟ اس لئے کہ میں چھ سو برس سے ہندوستان میں رہتا ہوں میری بہت سی پشتیں اس زمین میں دفن ہو گئیں، میں نے سیکڑوں برس اس بستی پر حکومت کی، مجھ پر اس خاک کا حق ہو گیا، نہیں حقوق ہو گئے۔ اسلام نے مجھ سے کہا تھا حب الوطن من الایمان (ملک کی محبت ایمان ہے) تو میں اپنے محبوب کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیوں نہ کرتا۔ میرا وجود اس ملک کی مٹی سے بنا ہے، اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے

وجود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا، پس میں نے اپنے وجود کی شناخت کی خاطر اس چیز کو شناخت کرنا چاہا جس سے میرا پُتلا بنا تھا، میں تسلیم کرتا ہوں، سارا ملک ہندو نہیں ہے۔ مجھ کو اقرار ہے، صرف ہندوؤں پر ہندوستان کے فہم کا دارومدار نہیں لیکن ہندو بھی اس ملک کا ایک حصہ ہیں، سب ٹکڑوں کو ملانے سے ایک گل بنا کرتا ہے لہذا میں نے ہندوؤں کو ان کے مذہب و معاشرت و تصوف کے اعتبار سے بیس برس تک اس لئے پڑھا، کہ وہ میرے مُلک کا ٹکڑا تھے۔

میرا پُرانا وطن کہ میں ناخلف نہیں ہوں، مجھ کو اپنا پُرانا وطن بھی یاد ہے کہ میں اس کو کبھی دل سے دور نہ کرونگا نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ میں اس کو بھول جاؤں، نہ وہ وطن مجھ کو فراموش کرنا چاہتا ہے، میں اس پر جان دیتا ہوں، وہ مجھ پر مرتا ہے،

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

وہ عرب ہے، وہ مدینہ ہے، وہ میرے باپ محمدؐ کی نگری ہے، وہی وہ خیمہ ہے جس کے اندر تیرہ سو برس پہلے ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے، جس کے باہر اونٹ، اور گھوڑے بندھے رہتے تھے۔ اندر ہماری تلواریں لٹکتی تھیں،

جہاں ہم بکریاں چراتے تھے، جو کا آٹا کھاتے تھے، کمبل پہنتے تھے، کہوں، کہوں، وہی جہاں سے اُٹھ کر ہم نے ساری دُنیا کو ہلا ڈالا، اور اس کے تاج و تخت کے مالک بن گئے۔

چار برس ہوئے، جب میں اپنے اس پُرانے وطن میں گیا تو اس کو بہت ہی پیارا پایا بے اختیار میرا دل اُسپر آیا، لیکن میں نے ہندوستان کو وہاں بھی دل سے الگ نہیں کیا اس آنکھوں کی ٹھنڈک پر بے توجہی و بھول کا پردہ نہیں ڈالا میں نے وہاں ہند کے بادلوں، بجلیوں کو یاد رکھا، برسات کی مستانہ ہواؤں، کوئل اور مور کی آوازوں، تالاب کے مینڈکوں کی صداؤں کو خیال میں لایا، اور محبت کا ٹھنڈا سانس

لیکر اپنے جنمی وطن کو مُڑ مُڑ کر بار بار دیکھا۔

خوش ہوں، میرا عرب سلامت ہے، خوش ہوں، میرا ہندوستان سلامت ہے،

دوسرا خیال اس کے علاوہ ایک دوسرے خیال کو بھی اس تحریک سوانح نویسی میں دخل ہے اور وہ اُردو زبان کی خدمت ہے۔ کیونکہ ہم سب ہندو مسلمان اپنی اس زبان کی ترقی کے فرض میں شریک ہیں جو ہم دونوں کو زندہ رکھنے اور آگے بڑھانے کی کنجی ہے، ضد اور ہٹ نے ہم دونوں کو اندھا کر رکھا ہے، ورنہ سچ بات یہ ہے کہ (اُردو اگر وہ اُردو ہو) ہندو مسلمانوں کی مشترکہ سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے، ہر ہندوستانی کا دل اس کو تسلیم کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہماری زبان ویسی ہی شاندار ہو جائے، جیسا ہمارا ملک تمام دنیا میں شاندار ہے، اُردو ہندی کی بحث میں دونوں فریق اصولی مقصد کو بھول جاتے ہیں، اور ایک بھائی دوسرے ملکی بھائی کو حریفانہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کتاب کو اُردو میں لکھ کر مجھے اطمینان ہوا، کہ میں نے اپنی زبان کا حق ادا کیا، کیونکہ اُردو زبان میں سری کرشن جی کے حالات بہت کم ہیں، اور جو ہیں وہ ذاتی عقائد و خیالات کی بنا پر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے صاحب نے جو لائف سری کرشن جی کی لکھی ہے اس میں آریہ سماجی نظر سے ہر بات کو درج کیا ہے، گویا قدیمی خیال کے ہندوؤں کی تردید میں یا سماجی اصلاح کے ماتحت یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بہت غنیمت ہے، اور مجھ کو اس سے بہت مدد ملی ہے، تاہم یک طرفہ اظہار خیالات کا الزام اس پر عائد ہو سکتا ہے، لالہ صاحب موصوف کے علاوہ چند کتابیں اور بھی ہیں جن کو میں نے فراہم کر کے دیکھا مگر کوئی کتاب ایسی نہیں ملی، جو غیر ہندو خصوصاً مسلمان لوگوں کو حالات سری کرشن جی سے بخوبی آگاہ کر سکے۔

سب سے بڑی کمی ان کتابوں میں یہ ہے کہ ان کی نہ زبان اچھی ہے، نہ کاغذ

اچھا ہے، نہ لکھائی اچھی ہے نہ چھپائی میں اہتمام کیا گیا ہے، خیال تو کرو کسی عظیم الشان اور حسین آدمی کی تالیف اور ایسی بدشکل، کہ ضرورتمند اور عقیدت شعار آدمی کے سوا کوئی نفیس طبیعت والا ان کتابوں کو ہاتھ میں لینا بھی پسند نہ کرے۔

تجارت پیشہ لوگ روپیہ کمانے کی خاطر ایسی خراب کتابیں چھاپتے ہیں، اور غریب اُردو کو غیروں کی نگاہ میں ذلیل کرتے ہیں۔

میں نے اس بڑی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، خاص اہتمام سے عکسی تصاویر تیار کرائی ہیں اور باوجود دگنے چوگنے دام بڑھ جانے کے کاغذ دبیز اور نفیس لگایا ہے۔ لکھائی اور چھپائی میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکا، کوشش کی ہے کہ عمدہ ہو، اور اس طرح اپنی دانست میں اُردو زبان کا حق زیبائش ادا کیا ہے۔

انگریزی، ہندی میں سنتا ہوں، بعض کتب احوال سری کرشن میں بہت اچھی شایع ہوئی ہیں، ہوں، جب اردو میں نہیں ہیں، تو سمجھو کہیں نہیں ہیں، اُردو اپنی ترقی اپنی ہونہاری اور اپنے اُس عالمگیر اثر کی بنا پر جس کا قبضہ ملک کے بہت بڑے حصہ پر ہے یہ حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں ہر قسم کے اہم اور ضروری مضامین فراہم ہوں اور اس میں شک نہیں کہ سری کرشن جی کی زندگی ہمارے ہی ملک میں نہیں، ساری دنیا میں ایسی پُرعظمت زندگی ہے، جس کی کیفیت اُردو میں اس طرح ہونی ضرور تھی کہ ہر خاص و عام ہندو مسلمان اور اُردو داں سمجھ کر پڑھ سکے۔

میں نے مسیز اینی بیسنٹ کی کتابوں کے اُردو ترجمے، اور تمام پُرانے خیال کے ہندوؤں کی تصنیفات کا ایک پورا ذخیرہ فراہم کر کے یہ کتاب لکھی ہے، اور اپنے ہندو مسلمان دوستوں سے قدم بقدم مشورہ لیتا گیا ہوں۔

کتاب کا نام } میں اُردو زبان کے ان طرفداروں میں ہوں، جو روزمرہ کی بول چال میں لکھتے ہیں، اور ہندی، عربی، فارسی کے الفاظ سے اپنی تحریر کو مشکل نہیں

بناتے، اسواسطے میں نے سب سے پہلے اس کتاب کے نام میں یہ کوشش کی کہ وہ سب سے نرالا اور نیا اور عام فہم ہو۔ کرشن بیتی ایسا نام ہے، جس میں جدت بھی ہے، اختصار بھی ہے، دل پسندی اور نظر فریبی بھی ہے۔

پہلا حصہ} اس وقت میں کرشن بیتی کا صرف پہلا حصہ شائع کرتا ہوں جس میں سری کرشن کے محض واقعاتِ زندگی ہیں، دوسرے حصہ میں ان کی تعلیم، کیرکٹر، اور اُن کے زندہ اُپدیش "گیتا پر" رائے زنی ہوگی۔ فقط حسن نظامی

دوسرا حصہ} کرشن بنسری کے نام سے میں نے تیار کرلیا تھا مگر شائع نہیں کیا اگر ملک کا شوق دیکھونگا تو شائع کردونگا۔ حسن نظامی اکتوبر ۱۹۴۷ء

ستم کی تاریکی

سورج بنسی چندر بنسی دو خاندان تھے، ہندوستان کے تلورے مشہور زمانہ تاجدار راجہ اکثر ان ہی دو نسلوں میں ہوئے ہیں۔ کرشن جی باپ کی طرف سے سورج بنسی ماں کی جانب سے چندر بنسی تھے۔ ایک پتلے میں سورج چاند کی روشنیاں جمع ہوئی تھیں۔ ایک گرم تھی۔ قہاری وجباری کا آشیانہ۔ دوسری ٹھنڈی تھی شفقت ورحمت کا آستانہ۔

متھرا ایک شہر ہے دہلی سے اسی میل کے فاصلہ پر۔ جمنا دریا کی لہروں کے کنارے مشہور ومعروف راجہ رامچندر جی کے زمانہ میں اسکو مدھوبن کہتے تھے۔ جس پر راجہ مدھو کی حکومت تھی۔ راجہ مدھو چندر بنسی نسل میں تھا۔ اور سورج بنسی خاندان کی سلطنت سے اس کا بڑا دوستانہ تھا۔ جس کا پایۂ تخت اجودھیا فیض آباد میں تھا۔

راجہ مدھو کے ایک لڑکی تھی جسکی شادی راجہ مدھو نے سورج بنسی خاندان کے ایک شہزادہ کے ساتھ جو اجودھیا سے متھرا آگیا تھا کردی، اس شہزادہ کا نام ہرسوا

یاہر جشیا تھا۔ شہزادہ ہر یسوا راجہ مدھو کا داماد بھی ہوا اور تخت متھرا کا مدھو کے بعد مالک بھی۔ یہی ہر یسوا کرشن جی کا آٹھویں پشت اوپر دادا ہوتا ہے۔ جس کی آٹھ نسلوں کے بعد واسدیو نامی ایک لڑکا ہوا۔

باسدیو ایک یتیم شہزادہ تھا جس کے باپ دسر یا سور کو چندر بنسی خاندان کے ایک راجہ اگرسین نے قتل کر کے تخت متھرا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور یتیم شہزادہ باسدیو کو غاصب و قاتل راجہ اگرسین کے بھائی دیوک نے پرورش کیا تھا۔ اور باسدیو حریف کے ہاتھوں میں پل کر اُسی کا بیٹا کہلاتا تھا۔

مالک راج متھرا اگرسین کا ایک بیٹا کنس نامی تھا اسی کنس کی بہن اور اگرسین کی بیٹی دیوکی تھی جس کو کرشن جی کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

شہزادہ باسدیو مفتوح و محکوم بھی تھا اور یتیم بھی تھا۔ تاجدار اگرسین کی بیٹی دیوکی کا اس کو ملنا دشوار تھا۔ اگر دیوک اگرسین کا بھائی زور نہ لگاتا۔

قدرت نے پلٹی کھائی باسدیو اور دیوکی کی شادی رچی۔ کنس جیسا مغرور و مفسد شخص جو اپنے باپ اگرسین کو معزول کر کے خود ملک کا مالک بن بیٹھا تھا ایسا بیخود ہوا کہ خوشی کے چاؤ میں دلہن بہن کا رتھ بان بنا۔ اور رو وداع کے وقت رتھ ہانکتا ہوا اُس کے دولھا کے ہاں لے چلا۔

کنس کی فرعونیاں

حضرت ابراہیمؑ کے نمرود۔ اور حضرت موسیٰؑ کے فرعون سے کنس کسی بات میں کم نہ تھا۔ دنیا کی ہوس ویسی، زندگی کی طمع ویسی، ظلم و ستم کا وہی عالم، بے دردی و سنگدلی کا وہی طور۔

باپ کو تخت سے محروم کر کے تاجدار بنا۔ ذرا ذرا سے وہم پر سینکڑوں بےگناہوں یہاں تک کہ معصوم بچوں تک کے خون پانی کی طرح بہا دیئے۔ دنیا کی کوئی آوارگی ایسی نہ تھی جس سے اس حرص کی مورت نے دل نہ لگایا ہو۔ ایسے تیز مسالحہ کو آگ کی کیا کمی۔

آس پاس کے مصاحب بھی شیطاں کے نورچشم تھے۔ بات بات میں بھڑکاتے۔ وہمی خطروں سے ڈراتے۔ اور کہتے ہمیشہ حکومت کرنی ہو تو راستہ میں کوئی کانٹا نہ پیدا ہونے دے پھر بھلا باسدیو جیسے شخص کی طرف سے کنس اور اس کے یاروں کو کھٹکا نہ ہو۔ ہر وقت سوچتے ہوں گے۔ کانا پھوسی ہوتی ہوگی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اُتار چڑھاؤ اور دلوں کے ارادے جانچے جاتے ہوں گے۔

باسدیو کے باپ دادا کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ اس کے باپ کو تلوار کے گھاٹ اُتارا تھا۔ وہم کے دریا میں جس قدر بھنور پڑتے کم تھے۔ مگر جانتا تھا باسدیو چچا دیوک کی گود میں پلا ہے آنکھ کھولکر جس کو باپ سمجھا وہ میرا ہی چچا دیوک ہے۔ دیوک کی تربیت نے باسدیو کا خون ٹھنڈا کر دیا۔ اب باسدیو کو سلطنت کا خیال نہیں آئے گا۔ اس نے طفلی سے ہماری ہی حکومت کو اپنی بادشاہت سمجھا ہے۔ اور بچپن میں جو خیال دل پر جم جاتا ہے ساری عمر قایم رہتا ہے۔ پھر اس سے خوف کے کیا معنی۔

اسی خیال سے اپنے چچا دیوک کی خواہش کو مان لیا ہوگا کہ اپنی بہن دیوکی باسدیو کو دیدے۔ جانا ہوگا۔ آستین کے سانپ کا اس من سے منہ بند رہیگا۔

تب بھی پاس بیٹھنے والے شیاطین خواہ مخواہ کی خیر خواہی جتانے کو کہتے ہوں گے بھیڑیئے کا بچہ بھیڑیا ہوتا ہے۔ گو بکری کے دودھ سے پلا ہو۔ باسدیو سے بے فکر رہنا ٹھیک نہیں۔ اپنی بہن دیوکی کو دیتے تو ہو۔ آئندہ کے نشیب و فراز سوچ لو۔ یہ پیوند نیا پھل نہ لائے۔ کنس ایک تو کر لیا اُس پر چڑا نیم۔ عجب خلجان میں ہوگا۔ دل میں رنگ رنگ کے ہنگامے برپا ہوں گے۔ کبھی کہتا ہوگا بہن دینے سے پرایا اپنا ہو جائیگا۔ کبھی ڈرتا ہوگا بدل نہ جائے۔ دیوکی کو قلعہ حکومت کے فتح کی سرنگ نہ بنالے۔

حریص و بے درد کا ارادہ کمزور ہوا کرتا ہے۔ وہ ٹھیک رائے قایم کرنے سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ یہی حال کنس کا ہوا۔ چچا دیوک اور مفتوح حریف باسدیو کا کہنا مان لیا

بہن دیدی دل بہلانے اور ریاکاری کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

برات وداع ہو کر جا رہی تھی قاتل زادہ مقتول زادہ کے لئے اپنے گھر کی عزت رتھ میں بٹھائے چلا جاتا تھا۔ متھرا کے بازار اس رعایا سے بھرے ہوئے تھے۔ جو کل باسدیو کے باپ دادا کی محکوم تھی۔ اور آج کنس کی تابع فرمان ہے۔ بیشمار دل جن میں قدیمی حکومت کا لگاؤ باقی ہوگا۔ اپنے غریب شہزادہ باسدیو کے سر پر سہرا دیکھ کر اور پیچھے فاتح کی بیٹی کا ڈولا پاکر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوں گے۔ اور عجیب و غریب شگون لے رہے ہوں گے۔ ایسے دلوں کی بھی کمی نہ ہوگی۔ جن کا ایمان کنس کی تاجداری پر ہوگا۔ اِنکو اپنے راجہ اپنی عزت کے رکھوالے کی یہ ادا کانٹے کی طرح کھٹکتی ہوگی۔ کہ حریف کی بیوی کا رتھ بان بنا ہوا جا رہا ہے۔

دلوں کے اِن بے تعداد مقناطیسوں نے کنس کے آہنی دل کو متاثر کیا ہوگا۔ اس کے وگدا میں پھنسے ہوئے دماغ پر خلقت کی خیالی بجلیاں گری ہوں گی۔

اس واسطے کنس چلتے چلتے رُک گیا۔ اس کی ریاکاری آئندہ کی مصلحت سے مغلوب ہوگئی۔ اس کے کان نے اپنے گنہگار ضمیر کی ایک آواز سُنی۔ کہ اسی دیوکی کے بطن سے باسدیو کا ایک بیٹا جو ہوگا تیری جان اور راج پاٹ کو خاک میں ملا دیگا۔

ہندوؤں کی کتابیں اِس موقع پر بیان کرتی ہیں۔ کنس نے غیب کی آواز سُنی کہ دیوکی کا بیٹا تیرا قاتل ہے۔ کہیں لکھا ہے۔ نجومیوں نے عین وقت کے وقت سر راہ یہ خبر دی کسی ؟ طریقہ سے سمجھ لو۔ الفاظ الگ الگ ہیں۔ بیان کا ڈھنگ جدا جدا ہے واقعہ کی صورت علیحدہ علیحدہ ہے۔ مگر نتیجہ اور مطلب ایک ہے کہ کنس کو دیوکی اور اس کی آنیوالی نسل سے اندیشہ ہوا۔ جس سے ڈرا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ ڈرایا جاتا تھا۔

اب کیا تھا۔ دیوانہ کو ایک ہو کافی ہے دل کا اندھیرا آنکھوں میں آگیا۔ انصاف کی عقل غش کھا کر گر پڑی۔ ظلم کی عقل نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تلوار میان سے ہاتھ لیجا کر رکھدیا۔

کنس نے اس کو میان سے کھینچ لیا۔ اور بہ ہمہ شمشیر کی طاقت سے بہن کا سر بریدہ کر دیا۔ رتھ کا پردہ اُٹھا تھا دیوکی بے گناہی کی جو کانپ گئی تلوار کی چمک نے اسکی آنکھوں پر گھونگٹ ڈالدیا۔
تلوار اُٹھی چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ آن کی آن میں خوشی کی چیخ بکا سہم کر چپ ہو گئی خلقت سکتہ میں تھی۔ براتی نقش حیرانی تھے۔ خود کنس تلوار تولکر ہکا بکا رہ گیا تھا خیالات کی لڑائی ٹھہرانی چاہتا تھا۔ کہ باسدیو کی خوشامد اور عاجزی نے اس متفکر سکوت کو توڑا۔
کنس مجنونوں کی طرح باسدیو کی منت و زاری سُن رہا تھا۔ جو اس کے غیظ کی آگ پر پانی ڈال ڈالکر بجھا رہی تھی۔ کنس اور اس کی فرعونی دب گئی۔ باسدیو کا جادو چل گیا۔ تلوار غلاف میں چھپی۔ برات آگے بڑھی۔
کہتے ہیں اسی وقت باسدیو سے عہد لے لیا گیا تھا۔ کہ دیوکی کے بچے زندہ نہیں رکھے جائیں گے۔
متھرا پر اور اس کے تاج کی روشنی جہاں جہاں جاتی تھی گناہوں کا اندھیرا تھا۔ گھروں پر۔ جسموں پر۔ خیالوں پر۔ نیکیوں پر شیطان کی کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ مگر تاریکی اپنی حد پر نہ پہنچی تھی۔ اندھیرا بل کھا رہا تھا پر الجھا نہ تھا۔ خدا کا قہر کالی بارود بچھا رہا تھا۔ لیکن وہ سوکھی نہ تھی۔
وہ دن بھی آ گیا۔ دیوکی بیٹا جنی۔ کنس کو خبر دی۔ وہ محل میں آیا۔ اپنے ظلم کے دشمن باسدیو کے لال اور اپنی ماں جائی دیوکی کے نونہال کو دیکھ کر بے آپے ہو گیا گود میں پڑے خدا کے کھلونے نے دشمن خدا کنس کو اپنا بے قابو بے کس وجود دکھایا۔ مگر ظالم کو ذرا رحم نہ آیا۔
باسدیو اور دیوکی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ بے زبان بچے کی پیاری ٹانگ کنس کے ہاتھ میں تھی۔ جس کو سفاک نے ایک گردش دی۔ اور پتھر کے فرش پر دے مارا۔ سفید زمین دنیا کے ننھے مہمان سے لال ہو گئی۔ اُس نے دو آدائیں دیں ایک جب

اس کو بے ترسی سے پاؤں پکڑ کے چکر دیا گیا تھا۔ دوسرے جب زمین پہ گر کر پاش پاش ہوا۔ دونوں آوازوں میں لفظ نہ تھے۔ مگر معانی تھے۔ وہ تکلیف و بیحواسی کی چیخیں تھیں لیکن فریاد کے ہزاروں لکچر ان سے مفہوم ہوتے تھے۔

باسدیو اور دیوکی کی ممتا خون میں نہائی۔ زمین پر مری پڑی تھی۔ ان کی خوشی کا چاند گود کے آسمان سے اُتر کر موت کے برج میں چھپ گیا تھا۔

دل کہتے تھے آہ۔ آنکھیں کہتی تھیں آہ۔ ہوش و حواس موجود نہ تھے۔ جو اُن کا بیان سُنا جاتا۔

دیوکی سوچتی تھی اس زمین پہ بھوکے مفلس۔ ممتا کی بھری پُری گود کے مالک ہیں میں اس شاہانہ محل میں کیوں پیدا ہوئی۔ لوگو میرے نو مہینے کی محنت اُجڑ گئی۔ اور ممتا سے بھرپور گود خالی رہ گئی۔ یہ سورج بنسی گھرانہ کا ننھا سا سورج نکلتے ہی چھپ گیا یہ چندر بنسی کنبہ کا پیارا پیارا چاند طلوع ہوتے ہی غروب کر دیا گیا۔

ارے کیا اس دیس میں میرا کوئی مددگار نہیں۔ کوئی ہو تو آوے۔ میرا لاڈلا سو گیا ہے۔ اس کو جگائے۔ بھائی کنس کو خبر دو۔ میرا بیرن بھیا میری بپتا سُنے گا۔ اوہ میں بھولی کنس کر نہ بلاؤ۔ وہ میرے بچے کو مار ڈالے گا۔ دیکھو دیکھو یہ بچہ مار ڈالا۔ کس کا لاڈلا تھا کیسا پھول سا کملایا پڑا ہے۔

ہائیں۔ سب چپ کھڑے ہیں کوئی نہیں بولتا۔ یہ بچہ کون لایا تھا بھائی نے اسے کیوں مار ڈالا۔ میرا پتی باسدیو بھی چپ ہے۔ اس نے بھی پرائے بچے کو نہ بچایا۔

ہائے ایک ہوک کلیجہ میں اُٹھی جگر کٹا جاتا ہے۔ دل پھٹا جاتا ہے۔ سینہ میں آگ لگی۔ آنکھیں ابکائیاں لیتی ہیں۔ شعلوں کے آنسوؤں کی قے کرتی ہیں۔ یہ تو میرا ہی دولہا ہے۔ لال پھول کا سہرا بندھا ہے۔ یہ تو میرا ہی دل جانی ہے۔ آہ میرا بیٹا ہے میرا بیٹا ہے۔ میرے سوکھے تالاب کا کنواں ہے۔

کہاں ہے۔ نہیں ہے۔ مر گیا۔ مار ڈالا گیا۔ اب نہیں ہے۔ آیا ہی نہیں تھا۔ اُف

اُن کہتے کہتے ہاتھ مُنہ پہ رکھ لیئے۔

باسدیو مرد تھا دیوکی کی طرح دیوانہ نہیں ہوا۔ مگر غم نے اس کا حال بھی غیر کر دیا تھا۔

کلیجہ میں اٹکی کھٹک چندروز نکلتے نکلتے نکل ہی گئی

آخر جی ٹھہر گئے۔ غمزدوں کو قرار آگیا۔ دن گزرنے لگے۔ راتیں بسر ہونے لگیں بھول کے پانی نے غبار دھو دیئے۔ صبر کے مرہم نے کلیجہ کے زخموں پہ کھرنڈ جمانے یہ ہو چکا تو اور امید ہوئی۔ نو مہینہ کے بعد دوسرا ستارہ چمکا۔ مگر وہ بھی کنس کی شیطانی جلن پر شہابہ بنکر ٹوٹا اور ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔

خیال کرنا باسدیو اور دیوکی کے دل پر ہاتھ دھرنا۔ کیا کہتا ہوگا۔ وہ کلیاں کھلنے سے پہلے ظالم نے پیروں میں مل دیں۔ اور یہ بیچارے کچھ نہ کر سکے۔ اور دو کلیاں ان دو کے بعد چار بچے اور ہوئے ان کو بھی قصائی نامرد نے اپنے فانی تاج پر قربانی چڑھایا۔

متھرا میں جو سنتا کلیجہ تھام کے رہ جاتا۔ باسدیو اور دیوکی کی بیچارگی پر آنسو بہاتا کنس سے پہلے ہی کون خوش تھا۔ ان حرکتوں نے اور بھی ہلچل ڈالدی تھی۔ بچہ بچہ کنس کے نام پر لعنت بھیجتا تھا۔ اور اس کی بربادی کی دعائیں مانگتا تھا۔ حد تھی سگی بہن کے چھ جگر کے ٹکڑے کاٹ ڈالے اور دربار میں کسی خدا کے بندے کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی ہمت کرتا کون جو پاس رہتے تھے۔ اپنے قدرح کی خیر مناتے تھے اور وہ کنس کے دم سے سلامت تھا۔ پھر وہ کیوں ان بچوں کی سفارش کرتے جن سے تاج کنس کو خطرہ مشہور تھا۔ اور جو خدا لگتی کہنے والے تھے۔ انکی دربار تک سائی نہ تھی۔

بلرام کا حمل دیوکی کو ساتواں حمل ہوا۔ یہ دن کیا آتے تھے۔ ماں باپ کو کانٹوں کی سیج پر سلاتے تھے۔ ساتواں حمل سنتے ہی باسدیو نے ٹھان لی کہ اس بچہ کو خونی کے چنگل سے بچانا چاہیئے تدبیروں کے باز جیلوں کی چڑیاں پکڑ پکڑ کر لانے لگے۔ متھرا کے قریب گوکل نامی بستی تھی۔ جہاں گائیں پالنے والے لوگ رہتے تھے۔ وہیں

باسدیو کی دوسری بیوی روہنی رہتی تھی۔ تجویز ٹھہری کہ اس کا بچہ روہنی کے ہاں بھیجدیا جائے اور یہی ہوا بلرام پیدا ہوئے اور چپ چپاتے گوکل پہنچائے گئے۔ متھرا میں مشہور ہوا۔ دیوکی کا یہ حمل گر گیا۔ کنس نے بہت تحقیق کیا مگر بھید نہ کھلا۔

بعض کہتے ہیں بلرام دیوکی کے شکم سے نہیں روہنی ہی کے پیٹ سے ہوئے تھے حاصل یہ ہے کہ بلرام کسی ماں سے ہوں باسدیو کے لخت جگر تھے۔ اور کنس کے ظلم سے خدا نے اُن کو بچا لیا تھا۔

خود بدولت کی آمد اب سنئے آٹھواں حمل دیوکی کو معلوم ہوا۔ اُسی کا بڑا ڈر تھا۔ نجومیوں نے آٹھویں حمل کی پیشین گوئی کی تھی۔ پہلے کے چھ قتل تو احتیاطاً تھے۔ اصل مقصود یہی آٹھواں تھا، اُدھر کنس جھجر جھجری لے کر چوکنا ہوا۔ اِدھر باسدیو۔ دیوکی اور اُن کے مخفی ہواخواہوں نے حفاظت کے توڑ جوڑ شروع کئے۔ کنس کے بندھن بڑھنے لگے۔ باسدیو اور دیوکی اول دن سے ایک خاص محل میں نظر بند تھے۔ اس حمل کی سُنکر نظر بندی کی قید کڑی ہوئی۔ پہرے بڑھائے گئے۔ دیکھ بھال۔ روک ٹوک میں اضافہ ہوئے۔

ایک دن دیوکی جمنا میں نہانے گئی تھیں۔ پورے دن ہو چکے تھے۔ اور ان کو ہر وقت آنیوالے غم کا سانسا لگا رہتا تھا۔ دیکھا دریا پر گوکل کی ایک اور نیک عورت اشنان کر رہی ہے نام پوچھا جسودہا بتایا۔ نند نامی گوالیہ کی بیوی تھی۔ اور اتفاق سے اس کو بھی نو مہینے کا حمل تھا۔ دیوکی نے اپنی بپتا اس کو سنائی۔ وہ سنکر بہت کڑھی۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور بولی۔ رانی جی تسلی رکھو۔ رعیت کے بال بچے راجہ پر قربان ہیں۔ اب کے میرے ہاں جو بچہ ہوگا وہ تمہارا ہے۔ تمہارے بچہ کی بھینٹ چڑھاؤں گی۔ دیوکی بولی نا بی بی ممتا سب کی برابر۔ مجھ سے یہ کیونکر ہوگا۔ کہ پرائے بچہ کو اپنی آگ میں جلا دوں مگر جسودہا نے منت کر کے دیوکی سے یہ قربانی قبول کرالی۔

سچّائی کا سویرا

لو وقت آگیا۔ رات کی تاریکی کے نور کا تیر لگا۔ اندھیرے کا سینہ چھد گیا۔ بھادوں کی کالی رات متھرا کی ظلم کار سیاہی سے گلے مل رہی ہے۔ زخمی ہے۔ دم دے رہی ہے۔ خدا نے کالی گھٹا کو بھیجا ہے۔ بادلوں کی گرج کو ساتھ کیا ہے۔ بجلی قہر کی زبانیں نکال نکالکر ابر کا لشکر سمیٹے لئے چلی آتی ہے۔

ذرا ٹھہرنا تیز ہوا کا سناٹا۔ کڑک۔ چمک۔ اور بارش کا شور۔ سُننے نہیں دیتا۔ متھرا میں غیبی ارواح کیا نغمہ گارہی ہیں۔ کس کی آمد کا ترانہ سُنا رہی ہیں۔

دیوکی کا محل کنس کا جیل خانہ ہے۔ برسوں سے چپ چاپ غم کا پہرہ لئے کھڑا تھا۔ آجکی رات سرور کا نور اُس سے اُبل رہا ہے۔ جس کی شعاعیں بجلی کی آنکھ بند کئے دیتی ہیں۔

اندر چلنا۔ کیا سماں ہے۔ اُسپر بھی نظر ڈالنا۔ آدمی کا بچہ پیدا ہوتا ہے جس طرح دنیا کے سب آدمیوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اس بچہ کی ولادت میں عجب شان ہے۔ اندھیرا کانپ رہا ہے۔ چہرہ پر زردی چھائی ہے۔ سہم کر پیچھے ہٹ رہا ہے زنداں خانہ کی دیواریں شوق دید میں جھکی پڑتی ہیں۔ باہر بادل نقارہ بجاتا ہے۔ ہوا تُرئی پھونکتی ہے۔ بجلی بان چھوڑتی ہے۔ بوندیں ابر کی کمانوں سے تیر بن بنکر آتی ہیں۔

اندر خاموشی کو برسوں کے بعد زبان ملی ہے۔ ہوشیار باش نگاہ وار کی صدا لگاتی ہے۔ آج اس سپہ دار اعظم سنیاپتی کمانڈران ہند کی آمد ہے۔ جس کی فوجیں پراگندہ پھرتی تھیں۔ جو پرا اعظم ہندوستان کا سب سے بڑا قائد الجیوش سپہ سالار ہے آج زمین کے چہرہ پر وہ آنکھ نمودار ہوتی ہے۔ جس کی دید فلک افلاک تک محیط ہے۔ یہ غلغلہ اس کی تشریف آوری کا ہے۔ جو رزم میں بزم میں دُکھ میں سکھ میں جینے میں مرنے میں زندگی کے

ہر کونے میں ہندی انسانوں کا غمگسار ہے۔ بڑوں کا سرواہ ہے۔ چھوٹوں کا دلدار ہے۔

صاف سنو استقبال کو آگے بڑھو۔ کرشن جی پیدا ہوتے ہیں۔ نور کی چادر تانو۔ اس سِر الٰہی کو اغیار کی آنکھوں سے بچاؤ۔ چھپاؤ جلدی چھپاؤ ابلیس کی نظر نہ لگ جائے۔

باسدیو نے گود پھیلائی۔ دیوکی نے گود اٹھائی۔ خدا کی دین کا دونوں میں لین دین ہوا ماتا نے اپنا دیا پتا کے آغوش میں دیا۔ پتا نے جگمگاتا تارا سینہ سے لگایا۔ اور باہر کا رستہ لیا۔ نیک ارواحیں مٹی کی آنکھوں سے پوشیدہ اس نور کے پتلے کے ساتھ ہوئیں دروازے کے دربانوں کو سُلا دیا۔ اور وہ تو پہلے ہی گناہ کی تاریکی سے اندھے ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں باسدیو سے مل گئے تھے۔ اس بچہ کی حفاظت میں مدد دینے کا قول ہار چکے تھے۔ جان بوجھ کر غافل ہو گئے۔ اور باسدیو بلا تردد محل سے نکلے چلے گئے۔

ابر برس چکا تھا آسمان صاف تھا۔ تارے جھلملاتے تھے۔ خدا کے پیارے پر جو باسدیو کی گود میں تھا اپنا شیریں نور برساتے تھے۔ غیب کے تماشے جن آنکھوں کو نظر آتے ہیں انہوں نے دیکھا۔ شیش ناگ نے اپنے پھن کا سایہ بچہ پر کر رکھا ہے۔ جو عقل کے کونچہ سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ ہر عجوبہ کی تاویل کرنے کے عادی ہیں۔ بولے ناگ ایک قوم تھی۔ اس کے سردار نے اسوقت باسدیو کی مدد کی تھی۔ میں نے کہا۔ ناگ اشدہا ہو یا آدمی فرشتہ ہو یا شیطان۔ ایک مظلوم شخص کا غیبی حمایت کار تھا۔

باسدیو جمنا کے کنارے پہونچے۔ بھادوں کے مینھ کا دریا کناروں سے اُبلا ہوا جوش کے چڑھاؤ میں چڑھا ہوا آبی دامنوں کو جنگل میں پھیلائے سیاہیانہ کف منہ میں بھرے سائیں سائیں کرتا بہتا چلا جاتا تھا۔ جوں ہی باسدیو وحدت کا سمندر گود میں اٹھائے اس کے کنارے آئے۔ جمنا خوشی سے لہرائی انتظار کے آنسوؤں کو پینے لگی پھیلے ہوئے پانی کو سمٹنے لگی۔ اس کا کھڑا پانی بیٹھ گیا۔ اور بیٹھی تہ کھڑی ہو گئی۔ پھر گہراؤ کیونکر رہتا۔ دریا پایاب ہو گیا۔ کشتی کی ضرورت نہ رہی۔ باسدیو اس میں گھسے چلے گئے اور پار اتر گئے

نئی روشنی کی عقلیں پھر غوطہ کھائیں گی۔ بغیر کشتی کے پار جانے میں ان کو تعجب و انکار ہوگا۔ مگر سچے مسلمان تو ان کرشموں کے قائل ہیں قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو دریائے نیل نے راستہ دیدیا تھا۔ اور اس میں خود بخود بارہ سڑکیں بن گئی تھیں۔ عقلاً غور کرو تو بہتیری مثالیں ایسی ملیں گی کہ دریا کو بغیر کشتی کے عبور کر لیا اور کسی کا بال بیکا نہ ہوا۔ رسول خدا صلعم کے اصحاب نے ایران پر حملہ کیا۔ دریا کے اُس پار غنیم کی فوج تھی۔ اس پار مسلمان تھے۔ دریا کی طغیانی۔ کشتیاں ناپید۔ سپہ سالار لشکر نے حکم دیا گھوڑے دریا میں ڈال دو۔ سپاہ نے تعمیل کی۔ سب خدا کا نام لیکر کود پڑے۔ حریف ایرانی یہ جرات دیکھ کر ڈر گئے۔ بولے۔ یہ آدمی نہیں جنات ہیں یہ کہہ کر بھاگ نکلے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی فوج کا ذرا نقصان نہوا اور انہوں نے پار جا کر ملک کو فتح کر لیا۔

ایسا ہی قصہ بابر بادشاہ کا تاریخوں میں مذکور ہے۔ وہ بھی گنگا کی طغیانی میں تلوار ہاتھ میں لیکر کود گیا تھا اور فوج کو تیراتا ہوا پار لے پہنچا تھا۔

باسدیو کے لئے اور ان کے اس بیٹے کے واسطے دریا کا خشک ہوجانا جو خدا کا مقبول تھا کچھ عجب نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ باسدیو کی ہمت اور قوت ارادی کشتی بن گئی اور وہ چڑھے دریا میں بے خوف و خطر تیرتے ہوئے دریا پار نکل گئے۔

پار جا کر کرشن جی کو جسودہا کی گود میں دیا۔ اور اس کی بیٹی کو اپنی گود میں اٹھا پھر متھرا آگئے۔

صبح ہوئی۔ دیوکی کے ہاں بچہ ہونے کی اطلاع اس موذی کنس کو دی گئی جو اس گھڑی کے انتظار میں برسوں سے سینہ میں دل دھڑکا رہا تھا۔ سنتے ہی آندھی کے جھونکے کی طرح دیوکی کے محل میں گھسا تاکہ ٹمٹماتے چراغ کو بجھادے۔ اور اپنے ظلم کے تاریک گھر میں اطمینان کی شمع جلائے۔

باسدیو اور دیوکی ہاتھ جوڑتے ہوئے اٹھے۔ قتل بیگناہ میں اپنی ناتوان

آوازوں سے مزاحمت کرنی چاہی۔ مگر اس بگولہ کے سامنے باسدیوُ اور دیوکی کے ذرات خاک کیا ٹھہر سکتے تھے۔ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کنس نے معصوم بچہ کو اٹھایا اور پھرا کر دے مارا بے زبان پتلی کا آناً فاناً میں دم نکل گیا۔ کنس کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی اور اندیشہ کا کام تمام کر چکا تو بچہ کو غور سے دیکھا۔ معلوم ہوا لڑکا نہیں لڑکی ہے حیران ہوا کہ خبر تو لڑکے کی تھی۔ یہ آٹھواں بچہ ہے۔ نجومی کہہ چکے ہیں آٹھویں حمل سے لڑکا ہوگا اور وہی تیرے تاج و تخت اور تیری جان کا لیوا ہے۔ پھر یہ کیا؟ یہ تو لڑکی ہے۔ دھوکا تو نہیں ہوا۔ فریب تو نہیں دیا گیا۔ ضرور دال میں کالا ہے۔ باسدیوُ نے اپنی برادری کے کسی شخص کے ہاں اپنا لڑکا چھپایا ہے اور کسی دوسرے کی لڑکی کو اس کے جگہ لٹا دیا ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ اس کے آتش خانہ خیال میں پھر آگ بھڑکی حکم دیا تمام جادونبسی (باسدیوُ کی برادری) کے لوگوں کے ہاں تلاش کرو جیں کے نومولود بچہ دیکھو قتل کردو۔

یہ حکم قضا کے تیر کی طرح کنس کی کمان دہن سے نکلا۔ اور بے شمار معصوم گلے چھیدتا چلا گیا۔ یعنے اس دن ساری جادو قوم کے شیر خوار بچے تیغ ستم سے حلال ہو گئے اور متھرا میں کہرام مچ گیا۔

جسودہا کی گود کے بے سروسامان گوالن کے جھونپڑہ میں ہندوستان کے ظاہر و باطن کا بادشاہ جھولے میں جھول رہا ہے۔ جسودہا کی غریبی پر نہ جانا۔ اس کے دل میں پریم و محبت کا دربار لگا ہوا ہے۔ اور یہ اس کی ملکہ ہے۔ یاد نہیں ان شہنشاہ دو عالم کا قصہ جن کی خاطر زمین آسمان بنے جن کا نام محمد (صلعم) تھا۔ وہ بھی ایک غریب گوالن کی گود میں پلے تھے۔ جن کا نام حلیمہ تھا۔ اور جو بکریاں پال کر زندگی بسر کرتی تھیں۔ خدا دکھاتا ہے کہ محبت کے سمندر غریبی کے چشموں سے اُبلتے ہیں۔ عشق کے شعلے مفلسوں کے چھپروں سے شروع ہوتے ہیں۔ تاکہ دولت دنیا کے جھوٹے نشہ سے مخمور جانیں اور

بے زری کی اس عزت کو پہچانیں جو خدا کے ہاں اس کی ہے۔

عاشق اور روزال بے سروسامان افتادہ۔ بچاری جسودہا کے پاس کیا تھا جسکو لکھوں۔ اور خدا کے لاڈلے مہمان کے قیام خانہ کی تصویر دکھاؤں۔ ایک خیمہ تھا یا ایک جھونپڑا تھا۔ جس کے اندر چکی تھی۔ چرخہ تھا۔ مٹی کے برتن تھے۔ گھاس کے بوریوں کا فرش تھا۔ باہر گائے تھی اس کے بچھڑے بچھیاں اچھلتی پھرتی تھیں۔

یہ اس قصر فقر کی صورت تھی جس میں بادشاہ اقلیم وحدت کی چھوٹی سی مورت گمنام جسودہا کی گود میں عیش کرتی تھی۔

جسودہا اس راج کمار کو سینہ سے لگاتی۔ اور اپنی قسمت پر ہزاروں ناز دل ہی دل میں کرتی تھی۔ اُسے خبر نہ تھی کہ میں دنیا کے مشہور سپاہی۔ نامی تاجدار رہبر دل عزیز پیشوائے دین کی دائی ہوں۔ اور اس کے قدموں کی برکت سے میرا نام قیامت تک زندہ رہیگا اس نے تو مظلوم دیوکی کا بے غرض محبت سے ساتھ دیا تھا۔ اس کو مال دنیا کی باسدیو اور دیوکی جیسے قیدیوں سے امید نہ تھی۔ جسودہا نے اپنی ہریالی کونپل کو دوسرے کے پھول پر کسی لالچ سے قربان نہ کیا تھا۔ اور دنیا میں اولاد کو کوئی شخص بھی طمع پر نثار نہیں کیا کرتا۔ یہ کرشمہ جب نظر آتا ہے محبت ہی کا اکثر اس میں دخل ہوتا ہے۔ یہ محبت ہی تھی جس نے جسودہا کو اندھا کر دیا۔ اور اس نے اپنی بیٹی ہلاک کرا کے دیوکی کے بیٹے کو بچایا۔ مگر محبت کا اندھا پن دل کی آنکھیں روشن کر دیتا ہے چنانچہ خدا نے جسودہا کو دل کی آنکھ دی اور اس کا رُتبہ دنیا کی جھوٹی دولت والیوں سے بڑھا دیا۔ سلام تجھ پر اے غریب گوالن کی گود ٹھنڈی کرنے والے۔ سلام تجھ پر اے گمناموں کے نام کو چار چاند لگانیوالے اے وہ جو ایک مفلس دودھ والی کی آغوش میں امیروں کی پھولوں کی سیج سے زیادہ آرام میں پاؤں پھیلائے سوتا ہے تجھ پر ہزاروں سلام۔

سُناؤنی جسودہا کی گود راج کمار سے آباد ہوئی۔ رات گئی۔ سچائی کا سویرا نمودار ہوا جسودہا دیکھتی تھی کہ یہ بچہ نور کا پتلا ہے۔ اس کے گھر میں آتے ہی صبح کا نور نکل آیا اپنے نئے مہمان کے چاؤ چوچلے میں لگی ہوئی تھی۔ دودھ بھی نہ بلویا تھا کہ متھرا سے ایک سناؤنی آئی۔ جس خبر کے سننے کا جسودہا کو یقین نہ تھا سورج نکلتے ہی کان میں پڑی کہ اس کی بیٹی کو کنس نے دیوکی کے بیٹے کے عوض مار ڈالا۔ وہ سمجھتی تھی نجومیوں نے کنس کو بیٹے کی خبر دی ہے۔ جب وہ دیکھے گا کہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے تو چپ ہو جائیگا نجومیوں کی غلط بیانی پر غصہ کرے گا اور میری ایک دن کی معصومہ کو چھوڑ دے گا توقع انسان کو تکلیف دیا کرتی ہے۔ اگر جسودہا یہ توقع نہ کرتی تو اس کو اپنی لڑکی کے مارے جانیکا اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا دل پہلے سے اس غم کے لئے آمادہ اور تیار ہوجاتا لیکن کرشن جی نے سب سے پہلا سبق اپنی دائی کو دیا بچے بنے ہوئے چپکے پڑے رہے اور جسودہا کو بتادیا کہ انسان کو ہروقت دنیا سے بے توقع رہنا چاہیئے۔ جسودہا نے باوجود اپنی بڑی قربانی کے ایک بشری امید کا تسمہ لگا رکھا تھا۔ قدرت نے اسکو کاٹ ڈالا اور عورت جسودہا کو میدان عشق کا پورا مرد بنادیا۔

جس وقت جسودہا نے سُنا کہ اس کی بیٹی کنس کے ہاتھوں ایسی بے دردی سے ماری گئی تو وہ بے اختیار ہوگئی۔ اس نے کرشن کو چھاتی سے لگا کر دبوچ لیا۔ اُنکے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔ اور زبان حال سے یہ کہنے لگی۔

دیوکی کے پُتر! میری پُتری مرگئی۔ باسدیو کے دل جانی! میری جان بے جان ہوگئی۔ سُنتا ہے؟ تیرے ماموں نے مجھ غریب کو لوٹ لیا۔

میں نے سانچ کی آنچ پر اپنی دُلاری کو بھینٹ چڑھادیا۔ کلیجہ کی کور کو خود کٹوادیا آنکھ کی پتلی میں آپ ہی تکلہ مار لیا۔

میرے کنور اُٹھ، اور اپنی ستم رسیدہ دائی کا بدلہ اس پاپی سے لے

جس نے میرے باغ کا ننا پھول توڑ لیا، دیکھ میری گائے اپنی بچھیا کو دودھ پلاتی ہے۔ اور وہ بچھیا بے دودھ پئے مر گئی۔ جس کو مجھ گئو نے جنا تھا۔ اس جانہار کو یہ خبر نہ ہو گی کہ اس کی قصائی ماں اس کو حلال کرانے بھیجتی ہے۔ وہ دنیا میں رہنے کو آئی تھی میں نے اس کو نہ رہنے دیا۔ اس کے دلمیں کچھ دیکھنے کے ارمان تھے۔ میں نے کچھ نہ دیکھنے دیا۔ اس کے ارمانوں کو خاک میں ملا دیا۔

اولاد والیوں سے پوچھنا۔ میرے دل کی آگ کی جلن وہ بتائینگی اور کہنا کہ جسودہا کی بیٹی قتل ہو گئی ہے۔ جسودہا اس کا کیونکر ماتم کرے جسودہا دوسرے کی ماتا کو پال رہی ہے۔ ایسا نہ ہو اپنی ماتا کے غم میں اس بچہ کی بدشگونی ہو جائے۔

دیؤکی! تو کچھ خیال نہ کیجیو، جسودہا صبر کی بندی ہے۔ اس نے کلیجہ پر پتھر رکھ لیا۔ وہ ہنستی رہیگی اور دل کے رونے کو چھپائے گی۔ تو اپنے لال کا فکر نہ کر۔ میری لالڑی ٹوٹ گئی۔ ٹوٹ جانے دے۔ یہ گود کا ہیرا سلامت رہے، تو میں اپنے آنکھ کے موتی کو بھول جاؤں گی۔

باسدیو۔ آ میرے پتی (شوہر) نند کو سمجھا۔ وہ اپنی بچی کے فراق سے بے اختیار ہوا جاتا ہے۔ میں کلیجہ کو مسوسوں۔ تیرے بچہ کو تھاموں یا نند کو سنبھالوں۔

وہ چلا جان چلی، دونوں برابر کھسکے اسکو تھاموں کہ اسے پیر پڑوں کس کس کے

جسودہا کی گود حرب کی زندگی کی پہلی رتھ تھی۔ جس کی رتھ بانی کرشن نے کی اسوقت وہ چپ تھے۔ اور بنے ہوئے غافل تھے۔ یا نا سمجھ بچے تھے۔ مگر قدرت ان کا لکچر انکا اپدیش، ان کا خطبہ، ان کی تقریر جسودہا کو اسی طرح سُنا رہی تھی جس طرح بڑے ہو کر

انہوں نے ارجن کو اس کا رتھ بان بنکر مہا بھارت کے وقت وعظ سنایا تھا۔

قدرت کی خاموش اسپیچ نے جسودہا کا دل مطمئن کر دیا۔ جیسا کہ ارجن کا دل گرمایا گیا تھا۔ جسودہا کو اپنا فرض یاد آ گیا۔ جیسے ارجن کو اس کا فرض یاد دلایا گیا تھا۔

خدا کے پیام کو ہمیشہ پہلے عورت نے مانا ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ حضرت موسیٰ پہ مردوں سے پہلے ایمان لائی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ خاتون محترم حضرت محمد مصطفےٰ (صلعم) نے سب سے اول اپنے خاوند کا دین اسلام قبول کیا۔

اسی طرح ہندوستان کے اس فلاسفر کے فلسفہ حیات و فرائض پر جس ہستی نے سب سے پیشتر سر جھکایا وہ بھی عورت تھی۔ اور اس غمگین کا نام جسودہا تھا۔

جسودہا نے ہندوستان کی غریب رعایا کی اس محبت کو جو اپنے حاکموں سے رکھتی ہے قیامت تک کے لئے مجسم بنا کر کھڑا کر دیا۔ جسودہا نے اپنی بیٹی کو چھری کے تلے رکھدیا۔ اور دنیا والوں سے کہہ گئی کہ ہندوستان والے اپنے بادشاہ پر یوں اولاد نچھاور کیا کرتے ہیں اس نے بتایا کہ رعایا پر اپنے محافظ حاکم کے بڑے بڑے حق ہیں اور جان و مال کی قربانی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اسی واسطے اس نے اپنی بیٹی دیوکی کے راج کنور پر فدا کر دی ہے،

جسودہا نے اس مثال میں یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستانی عورتیں بیکسوں اور مظلوموں کی حمایت میں ایسے کام کر سکتی ہیں جو دوسرے ملکوں کے مردوں سے بھی دشوار ہیں۔ زندہ باش نام جسودہا۔ پائندہ باش کام جسودہا۔ جے مہبسودہا کے پریم کی۔ اور ماوق وفاداری کی۔

دن کی شروعات

دودھ کے تالاب میں کرشن کا سفید کنول کھلا۔ بارہ گھنٹہ سورج نے بارہ گھنٹہ چاند نے سایہ ڈال ڈال کر اس کنول کو پالنا شروع کیا۔ جنگل کی صاف ہوا نے پنکھے جھلے جمنا کے پاک پانی نے ہاتھ منہ دہلائے۔ اور اس طرح اس روشن دن کی پرورش ہونے لگی۔

جس کو قدرت نے ہندوستان کی تاریکیاں اور ظلم کی شب دیجور دور و فنا کرنے کیلئے بھیجا تھا۔
وہ وقت بھی آیا کرشن جی نے طفلی کا پردہ اٹھایا۔ جسودہا کی گود سے نیچے اُترے بیٹھنا سیکھا۔ کھڑا ہونا سیکھا۔ چلنے پھرنے لگے۔ گوالیئے سمجھے لڑکا ہوش میں آیا۔ ہاتف نے آواز دی یہ بے ہوش کب تھا۔ عالم اسباب کی شکل بشر میں آیا تھا۔ اس واسطے کچھ دن چپ چاپ پڑا رہا۔ ورنہ یہ ازلی ہوش و حواس کا خزانہ لیکر زمین پر اُترا تھا۔ اس کو عمر کے ان تغیرات کی محتاجی نہ تھی جس کو تم بچپن جوانی بڑھاپا کہتے ہو۔
اب کرشن کنہیا دوڑنے تھے۔ اچھلتے تھے۔ کودتے تھے۔ اور پڑوس کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔ وہاں جاکر جس چیز کو دیکھتے شوخی سے پھینک دیتے۔ پانی کے برتن پھوڑ ڈالتے۔ دودھ اونڈھا دیتے دہی بکھیر دیتے۔ مکھن خراب کرتے۔ جی میں آتا تو بے خطر ہو کر مکھن دودھ جتنا کھایا جاتا کھا جاتے ایک دن ہو دو دن ہو تین دن ہو۔ کرشن کنہیا کی یہ حرکتیں روز روز ہونے لگیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی شخص حرف شکایت زبان پر لاتا ہو۔ گوالیئے نقصان اٹھاتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ کرشن جی غیب کی ایک ایسی طاقت ساتھ لائے تھے جس نے شروع سے ان کی محبت انسانوں کے دلوں میں بھر دی تھی۔ اور خلقت کی طبیعتیں خود بخود ان کی طرف کھینچی تھیں۔ عورت مرد بچے بڑے کی قید نہ تھی ہر درجہ اور عمر کا آدمی کرشن سے پیار اور لگاؤ رکھتا تھا۔
دنیا میں نوجوان لڑکیوں اور کرشن کی محبتوں کے افسانے مشہور ہیں یہ لڑکیاں ان ہی گوپوں یعنے گوالیوں کی تھیں۔ گوپیاں نام اسی نسبت سے ہے۔ مگر کرشن جی کا تعلق فقط لڑکیوں سے مخصوص نہ تھا۔ گوکل کے سب باشندے ان کے شیفتہ و فریفتہ تھے قصے کہنے والوں نے صرف ایک حصہ کو لے لیا۔ اور کرشن کو بدنام کر دیا حالانکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کرشن جی کا گوکل کی جوان لڑکیوں سے تعلق تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گوپوں (گوالیوں) نے اس کو

کیونکر گوارا کر لیا۔ حالانکہ وہ صحرائی بڑے باغیرت وحمیت تھے وہ کب گوارا کرسکتے تھے کہ متھرا کا ایک اجنبی آدمی ان کی لڑکیوں سے ناجائز تعلق رکھے۔ پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرشن اور گوپیوں کا تعلق بالکل پاکبازانہ تھا۔ اور گوپیوں کو کرشن پر ہر طرح اطمینان تھا۔

کرشن جی کے اِس عالمِ خرد سالی سے معلوم ہوتا ہے جس کو دکھا رہا ہوں کہ ان پر گوکل کے سب کے سب رہنے والے جان دیتے تھے۔ اور اس وقت جبکہ کرشن تین چار برس کے تھے تمام گوپ لوگوں کا کھلونہ بنے ہوئے تھے۔ مرد بھی ان کے عاشق تھے۔ عورتیں بھی بوڑھی ہوں یا جوان ان پر جان دیتی تھیں۔ لڑکیاں اور لڑکے ایک دم کو کرشن سے الگ ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ یہی الفت تھی جو کرشن جی کی عمر کیساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی اور اتنی بڑھی کہ موجودہ نسلوں نے ان سے نفسانی نتیجے نکال لئے۔

جب کرشن کنہیا چار پانچ برس کے ہوگئے تو گوپ لڑکوں کے ساتھ گائیں چرانے لگے۔ جنگل میں بھی ان کی شوخی قایم رہتی تھی۔ اس شوخی کے ساتھ دلیری بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ خونی سانڈوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے خطرناک جانوروں پر حملہ کرکے اپنی جرأت کا ثبوت دیتے تھے۔ جس پر بہت سی حکایتیں بعید از قیاس مشہور ہیں مگر قیاس کو اور ناکارہ عقلوں کو غیبی کرشموں میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں۔ اسواسطے ہر حکایت کو تسلیم کرنا چاہیے۔

بانسری اسی طفلی اور گائیں چرانے کے زمانے میں کرشن جی نے بانسری بجانی سیکھی وہ اُسوقت کے دستور کے موافق ناچتے بھی خوب تھے۔ اور آواز تو ان کی ایسی شیریں و دلکش تھی کہ جب وہ گانے کھڑے ہوتے تھے تو سننے والے بے حس وحرکت اور بیخود ہو جاتے تھے۔

ذرا سوچنا جس پتلے کو لڑائی کا سنکھ (بگل) بجانا تھا اور ہندوستان کی زمین پر ایک معرکہ عظیم کا نقشہ جمانا تھا قدرت نے خود بخود اس کو ایک ایسے باجہ کی طرف

متوجہ کیا جو ہر روحانی مثال میں آیا کرتا ہے۔

مثنوی مولانا رومؒ کا پہلا بنیادی شعر جب فلسفۂ کائنات کے بیان پر زبان کھولتا ہے تو اسی بانسری کو ذکر حقیقت کا محاذ بناتا ہے جو یہ ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند   وز جدائی ہا شکایت میکند
سن تو (بانسری) سے کیا حکایت کرتی ہے   اور جدائی کی شکایت کرتی ہے

اس بانسری کے عجب راز تھے۔ اس نے کے کچھ اور ہی انداز تھے۔

شام نے مرلی بجائی کس طرح   مچ گئی گھر گھر دُہائی کس طرح
ہر کی مرلی ہر کے اندر باجتی   ہر کی ہے ہر سے رسائی کس طرح

گوکل سے بندرابن } خانہ بدوش قومیں ایک جگہ آباد نہیں رہا کرتیں۔ گوکل کے گوپ بھی خانہ بدوش تھے جن میں سری کرشن پوشیدہ طور پر پل رہے تھے۔ یکایک ان گوپوں نے گوکل سے اپنے خیمہ اکھاڑ لئے اور اس چراگاہ سے سب مویشی لیکر بندرابن چلے گئے جو گوکل سے چند کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور خوب ہرا بھرا جنگل تھا۔ جسکے تین طرف جمنا بہتی تھی۔

اسی بندرابن میں سری کرشن جی کا بچپن ختم ہوا اور جوانی کے ایام شروع ہوئے۔

یہاں آکر سری کرشن کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ دن بھر گوپ لڑکوں کے ساتھ گائیں چراتے شام کو گھر آتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلتے اور بانسلی لیکر بیٹھ جاتے۔ اور خوب بجاتے۔ گوپ گوالے سبھی چھوٹے بڑے عورت مرد و لڑکے لڑکیاں۔ رات کی بیفکری میں سری کرشن کے آس پاس جمع ہوتے۔ اور ان کی بانسری کے نغمے سُنتے۔

سری کرشن اور ان کے بھائی بلرام نہایت حسین تھے۔ اور تمام گوپ فرقہ کے بچوں میں ان دونوں کی صورتیں الگ پہچانی جاتی تھیں۔ مگر گوپ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بچے جسودہا اور نند کے ہیں۔ یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ متھرا کے شہزادے ان میں پل رہے ہیں۔ اس راز کو صرف نند اور جسودہا ہی جانتے تھے۔

اس کے باوجود کہ گوپ سری کرشن اور بلرام کو اپنے قبیلہ کا سمجھتے تھے۔ ان پر سری کرشن کا بڑا اثر تھا۔ اور خود بخود ایسی حالت ہو گئی تھی کہ گوپوں کی لڑکیاں اور لڑکے جوان کے ہم عمر تھے ان کی عزت اس طرح کرتے تھے گویا یہ دونوں ان کے سردار ہیں۔

اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ سری کرشن کا پالنے والا انند اور اس کی بیوی جسودھا اپنے فرقہ گوپ میں ذی عزت تھے۔ دوسری یہ کہ ان دونوں کرشن و بلرام کی شکلیں سب سے اچھی اور ممتاز تھیں۔ تیسری یہ کہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب قدرتاً بھی ان کا رعب ان جنگلی باشندوں پر پڑتا ہے۔ اور سری کرشن باوجود خرد سالی کے ان سب کے بڑے بنے ہوئے تھے جس جگہ جا کر بیٹھتے سارے گوپ بھی وہاں جمع ہو جاتے جو کام کرتے گوپ بھی اس میں حصہ لیتے۔ جس طرف ان کی رغبت ہوتی گوپ بھی اُدھر ہی رغبت ظاہر کرتے۔

سری کرشن کی آواز بھی قیامت کی تھی۔ وہ بہت ہی اچھا گاتے تھے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ناچنا بھی خوب آتا تھا۔ ہم مسلمان ناچنے کے لفظ پر چونکتے ہوں گے۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے سری کرشن کی عظمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ کیونکہ یہ رقص اس وقت کے ہندوؤں کا قومی دستور تھا۔ اور ہر ذات کے ادنیٰ اعلیٰ امیر غریب لوگ ناچا کرتے تھے جیسے آجکل انگریز اور یورپ والے ادنیٰ آدمی سے لیکر بادشاہ تک بیویوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ اور اس قومی عادت پر کوئی شخص اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

سری کرشن رات کی ان صحبتوں میں بانسلی بجاتے۔ گانا گاتے اور کبھی کبھی رقص بھی کرتے۔ اور ان کے ساتھ گوپ فرقہ کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ناچتی گاتی تھیں۔ اس عام ہمنشینی کی مجلسوں نے بعض لوگوں کو جن میں خوش اعتقاد ہندو زیادہ ہیں یہ قیاس کرنے کا موقع دیا کہ سری کرشن گوپ فرقہ کی جوان لڑکیوں یعنے گوپیوں سے

ناجائز برتاؤ کرتے تھے اور ان کی یہ عمر ہر وقت کی زناکاریوں میں بسر ہوتی تھی۔

یہ قیاس جو بعد میں اصلیت اور واقعیت کے لباس میں مشہور ہو گیا سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس لئے نہیں کہ سری کرشن کو خواہ مخواہ الزامات سے بری کرنا میرا مقصود ہے۔ بلکہ اس واسطے کہ حالات کا تقاضا ان روایتوں کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ سری کرشن کی عمر اس زمانہ میں صرف بارہ برس کی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں خواہ کیسا ہی تندرست بچہ ہو اس قابل ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ جوان عورتوں کے ساتھ مصروف زناکاری ہو سکے۔ اور یہ تمام معتبر ہندو کتابوں سے ثابت ہے کہ سری کرشن نے جب اپنے ظالم ماموں راجہ کنس کو قتل کیا ہے تو ان کی عمر بارہ سال کی تھی سوائے ایک روایت کے جس میں ان کی عمر سولہ برس کی لکھی ہے۔ اگر اس سولہ سال کی روایت ہی کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی گوپیوں سے حرام کاری ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ سولہ برس کی عمر میں کنس کو مارا ہے۔ اور یہ سب قصے عیاشی کے اس عمر سے پہلے کے ہیں جو تصویر کنس کے مارنے کی میں نے اس کتاب میں دی ہے وہ ان ہندوؤں سے حاصل ہوئی ہے جو عملاً بیباکی سے سری کرشن کے عاشقانہ اور عیاشانہ طرز عمل کو مانتے ہیں۔ تب بھی اس تصویر میں سری کرشن کو ایک طفل کی شکل میں دکھایا گیا ہے جب کنس کے ہلاک کرنے کے وقت وہ اتنے ذرا سے طفل معصوم تھے تو سابقہ عمر میں گوپیوں سے زناکاری انہوں نے کیسے کی۔

سب سے بڑا ثبوت سری کرشن کی پاکبازی کا یہ ہے کہ وہ ہر وقت گوپ مردوں عورتوں لڑکوں لڑکیوں میں گھرے رہتے تھے۔ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان کو کبھی لڑکیوں سے تنہائی کا بھی موقع ملتا تھا۔ تو پھر ان کو حرام کاری کا وقت کب اور کہاں مل سکتا تھا گوپ فرقہ کی سکونت جنگل میں تھی۔ جہاں بڑے بڑے مکان اور عیبوں کے چھپانے کے لئے در و دیوار نہ تھے۔ کھلے میدان میں سری کرشن کو

علانیہ ہوس بازی کی اجازت کون دے سکتا تھا۔
صحرائی اور جنگلی قومیں بڑی غیرت دار اور آبرو کی پاسداری کرنے والی ہوتی ہیں اگر وہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ سری کرشن کی ذرا بھی بدنگاہی دیکھتے تو کیونکر ممکن تھا کہ وہ ان کو یا ان کے پالنے والے نند وجسودہا کو زندہ چھوڑ دیتے۔ بخلاف اس کے وہ تو سب پروانوں کی طرح سری کرشن کے فریفتہ اور شیفتہ تھے۔
سری کرشن کی جوانی اور عروج کے زمانہ میں ان کے بہت سے دشمن بھی تھے ان دشمنوں میں ششوپال راجہ نے ایک دربار کی بحث میں جس کا ذکر آگے آئیگا سری کرشن پر ہر قسم کے عیب لگائے مگر حرام کاری کا الزام اُس نے نہ لگایا اگر یہ بات سچ ہوتی تو جلسۂ عام میں ششوپال جیسے حریف کو زنا کا الزام بیان کرنے اور مجمع کو انکے خلاف کر دینے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ مگر اس نے الزامات میں اس قسم کا ایک حرف بھی نہیں رکھا حالانکہ وہ سری کرشن کا عزیز تھا۔ اور ان کی تمام زندگی سے واقف تھا۔ اس وقت کے دلیر سچے۔ پاکباز۔ اور اکثر بڑے بڑے زاہد عالم ہندو سری کرشن کے آگے سر جھکاتے اور ان کو اوتار مانتے تھے۔ اگر سری کرشن کی زندگی میں یہ حرام کاریاں ہوتیں تو وہ نیک لوگ کبھی ان کو اوتار تسلیم نہ کرتے۔ اور ان کے آگے سر نہ جھکاتے۔
غرض صدہا ثبوت اس کے ہیں کہ سری کرشن کی عیاشی اور گوپیوں سے ناروا مصروفیت کا قیاس بالکل جھوٹا غلط اور بہتان عظیم ہے۔ اور اس مرد خدا کی زندگی ان گناہوں سے سراسر پاک اور بے لوث تھی۔
بیشک وہ گوپیوں کو گانا اور باجہ سُناتے تھے۔ بیشک وہ ان کے ہمراہ رقص کرتے تھے۔ بے شک ان کی طفلی کا زمانہ خوب رنگ رلیوں میں بسر ہوتا تھا۔ مگر ان مجالس عیش میں صرف گوپیاں ہی نہیں اُن کے ماں باپ بھی شریک ہوتے تھے اُن کے لڑکے بھی شامل ہوتے تھے۔ اور یہ سب حالات ایسے تھے جن میں اس وقت کے

عام دستور تفریح اور زندہ مزاجی کے سوا کسی ناجائز فعل کو دخل نہ تھا۔

پھر کون کہہ سکتا ہے اور کہاں سے کہہ سکتا ہے کہ سری کرشن جیسے پیشوائے دین نے (توبہ توبہ) حرام کاریاں کیں۔

اے میرے بھائی مسلمانو تم ہرگز بعض جاہل ہندوؤں کی روایتوں پر کچھ خیال نہ کرنا کیونکہ تم پر تمہارے مذہب نے لازم کیا ہے کہ ہر دین کے ہادی کی عزت کرو۔ اور اس کو ایسے جھوٹے الزاموں سے پاک سمجھو۔

سری کرشن پر یہ سراسر بہتان ہیں۔ اور کوئی دلیل کوئی تاریخی شہادت۔ کوئی پکا ثبوت اس کا موجود نہیں ہے کہ سری کرشن زناکار تھے۔ میں نے ہندو کتابوں کو خوب غور سے دیکھ لیا۔ کہیں بھی ان واقعات کا نشان نہیں ملتا۔ جو خود سری کرشن کے پجاری ان پر تھوپتے ہیں۔

تم کہو گے کہ جب ان کے پیرو خود ایسا کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں۔

میں جواب دوں گا کیا اسلام نے تم کو نہیں بتایا کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں پر بہتان لگائے۔ توریت میں ایک پیغمبر کی نسبت انہوں نے یہ بڑھا دیا ہے کہ پیغمبر نے اپنی لڑکیوں سے زنا کیا۔ مگر تم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اس تحریف کو ہرگز تسلیم نکرو۔ اور سب پیغمبروں کو پاک مانو کیا حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ان کی اُمت نے یہ نہیں کہا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں لیکن تم کو بتایا گیا کہ تم اس کو جھوٹا سمجھو۔ وہ خدا کے فرزند نہ تھے خدا اس بہتان سے پاک ہے۔

اگر تم دوسروں کی روایت و عقیدہ پر عمل کرتے اور کہتے کہ جب وہ خود ایسا کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں تو بتاؤ تمہارے پاک ایمان کو کس قدر صدمہ پہنچتا۔ یاد رکھو ہر مذہب اور قوم میں خرابیاں پڑ گئیں ہیں۔ ہر عقیدہ میں اور ہر آسمانی کتاب میں لوگوں نے اپنی فرضی تحریف کر دی ہے۔ اور کمی بیشی سے اس کو خراب کر رکھا ہے۔

جب ہی تو سب سے بڑے اوتار اور سب سے بڑے پیغمبر یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے فرمایا کہ میں کوئی نیا دین لیکر نہیں آیا ہوں بلکہ پرانے دین کی خرابیوں کو دور کرنے اور اس کے ماننے والوں کی اصلاح کے لئے خدا نے مجھ کو رسول بنایا ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ توریت پر ایمان لاؤ۔ انجیل پر ایمان لاؤ۔ اور سب پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بعض پیغمبروں کے نام ہم نے بتا دئے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ مگر تم پر سب پیغمبروں اور مذاہب کے پیشواؤں اور رہناؤں کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اس توریت کی تصدیق کرتے ہیں جس میں یہودیوں نے پیغمبروں کی زناکاری لکھدی ہے۔ ہم اس انجیل پر ایمان لاتے ہیں جس میں خود نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا لکھدیا ہے۔ تو ہم کو ہندوستان کے سب سے بڑے ہادی کی بھی عزت کرنی چاہیئے اور جس طرح توریت کے لکھے ہوئے اور تحریف کردہ بیان زنا کو ہم جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح انجیل کے غلط دعوے فرزندی خدا کو نہیں مانتے۔ اسی طرح ہم کو ماننا چاہیئے کہ سری کرشن پر بھی زنا کے الزام سراسر بہتان ہیں۔ اور ایسے ہی ہیں جیسے توریت و انجیل کے مذکورہ بالا خود ساختہ واقعات۔

ہم مسلمان توریت و انجیل کی صرف تصدیق کرتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کا ہم کو حکم نہیں ہے کیونکہ ہم کو ایک ایسی کتاب دیگئی ہے جو ہر تحریف اور خرابی سے پاک ہے جس میں کوئی بات انسانی مداخلت کی نہیں ہے۔ جس کی تعلیم عین عقل اور ضرورت زندگی کے موافق ہے اور وہ قرآن ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ میرے آنے کے بعد توریت انجیل اور سب آسمانی کتابوں کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں اب سارے جہاں کو مجھ پر عمل کرنا چاہیئے۔

پس ہم قرآن کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور اُس کو تمام دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں۔ دنیا میں ہندوستان بھی ہے۔ اس کو بھی قرآن پر عمل کرنے اور اس ہدایت پر چلنے کی ضرورت ہے۔ جو سری کرشن جی اور سری رامچندر جی کی تعلیم کے موافق ہے جسمیں آسمانی کتاب وید کی طرح توحید کی تلقین ہے۔

قرآن نے سب پیغمبروں کو انسانی الزاموں سے پاک کیا۔ لہذا مقلدان قرآن کا فرض ہے کہ ہندوستانی پیشوایان دین کو بھی آدمیوں کے بہتانوں سے پاک کریں اور ان کے ادب واحترام کو اپنے دل میں جگہ دیں۔

اس سے ہم ہندو نہیں ہو جائیں گے۔ کیونکہ توریت کی تصدیق وتعریف کرنے سے ہم یہودی نہیں ہوئے۔ اور انجیل کی توصیف سے عیسائی نہیں بنگئے وہی مسلمان رہے اور مسلمان رہیں گے۔ اس عام تصدیق اور عام محبت وارتباط شائع کرنے ہی کا نام تو اسلام ہے۔

لہذا آؤ اور سری کرشن جی کے اوپر سے تمام جھوٹے بہتانوں کو دور کر کے اور دور سمجھ کے ان کو اپنے دل کی عزت ومحبت کا پیام دو۔

خوش اعتقاد ہندوؤں کی بے عقلی سے سری کرشن کی نسبت ایسی ایسی مہمل باتیں کہتے ہیں جن کو میں اس کتاب میں درج کرنا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں۔

متھرا۔ گوکل۔ بندرابن۔ جہاں سری کرشن کی پیدائش۔ پرورش۔ عروج کی یادگاریں ہیں ہر سال کروڑوں ہندو ان مقامات کی زیارت کرنے آتے ہیں میں بھی ان کو دیکھنے کئی مرتبہ گیا ہوں۔ وہاں پجاری اور پنڈوں نے اپنی کمائی کے لئے ایسی ایسی روایتیں بنا رکھی ہیں جن کو سُنکر عورتیں قدرتًا بد چلنی کی طرف مائل ہو جاتی ہوں گی اور جوان مرد بھی بے اختیار ہوس نفس کو دل میں موجزن پاتے ہوں گے کیونکہ شائستہ نیک چلن آدمی جب ان مسلسل اور خواہش ناپاک کو باضابطہ تحریک

دینے والے حالات و واقعات کو سنتا ہے تو فطرتی تقاضے سے خود بخود اس پر بُرا اثر ہوتا ہے۔ یا تو اس کو تکلیف ہوتی ہے اور ان روایتوں سے وہ متاسف ہوتا ہے اور یا اس مرکز ہدایت مقام کی حاضری اس کو یہ فیض پہنچاتی ہے کہ ان جھوٹی کہانیوں کی بدولت اس میں بھی نفسانی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور وہ بھی آوارہ مزاج ہو جاتا ہے

راس لیلا ہر سال جب کرشن جی کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو ہندوستان کے شہر۔ شہر۔ قصبہ قصبہ۔ گاؤں گاؤں میں راس لیلا کے نام سے ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ اور ان میں بعض پیشہ ور آوارہ خوبصورت لڑکے ان جھوٹی اور حیا سوز روایتوں کی نقل کرتے ہیں جو سری کرشن پر بطور بہتان کے لگائی گئی ہیں۔ اور ہندو ان حرام کار لونڈوں کو اپنے پاک اوتار کی بے حرمتی کے صلہ میں ہزاروں روپیہ دیتے ہیں۔

مقصد کتاب کے خلاف ہوگا کہ میں حالات زندگی چھوڑ کر نصیحت نامہ لکھنے لگوں اسواسطے زیادہ تفصیل سے لکھنے اور ہندوؤں کو وعظ سنانے کی ضرورت نہیں ہے اب وہ خود اصلاح کرتے جاتے ہیں۔

میں نے تو مسلمانوں کو سمجھانے اور اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے یہ تفصیل لکھی ہے تاکہ وہ جانیں کہ ہندوؤں کے یہ سب خراباتی افعال ذاتی اور خود تراشیدہ ہیں سری کرشن کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ ان تمام خرافات سے پاک تھے۔ ان کی شان ان بازاری نظر بازیوں اور نفس پرستیوں سے بہت اعلیٰ تھی جے ہو خدا کے اس پاک بندہ کی جس کو خود اس کی اُمت نے بدنام کر رکھا ہے۔

رادھا جی ان ہی گوپیوں کے قصہ عشق بازی میں رادہا جی نامی ایک گوپی کے بیشمار افسانے مشہور ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ سری کرشن رادہا کو اور گوپیوں سے زیادہ چاہتے تھے اور رادہا ان کی مخصوص معشوقہ تھیں۔ سری کرشن ان کے خیال میں غلطاں پیچاں رہتے اور یہ کرشن کے عشق میں بے خود و سرشار رہتی تھیں۔

زبانوں پر۔ اس عشق بازی کے اس کثرت سے قصے چڑھے ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف کچھ کہنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ صرف زبانی کہانیوں پر بس نہیں ہے۔ بت خانوں میں مورتیں بنی ہوئی ہیں جن میں رادھا اور کرشن کے عشق کو طرح طرح سے دکھایا ہے بُت خانے بھی نئے نہیں۔ بہت قدیمی اور پُرانے زمانہ کے مندر۔ وں میں ایسی تصاویر پتھروں پر کھدی ہوئی دستیاب ہوتی ہیں۔

قدیمی کتابوں میں قلمی تصاویر کو تلاش کیا جائے تو وہاں بھی رادھا کرشن کے عشق کو مجسم دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اب تو چھاپہ خانہ کی بدولت کروڑوں۔ تصویریں اس عاشقی معشوقی کی شایع ہوتی ہیں۔ اور ہندو ان کو خرید خرید کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کی رغبت عام اور پسندیدگی خاص کو دیکھہ کر یورپ کے سوداگر کپڑے کے تھانوں پر۔ آرائش کے سامان پر۔ رادھا کرشن اور گوپیوں کی رنگین تصویریں چپکا چپکا کر بھیجتے ہیں۔ اور رادھا کرشن کے جھوٹے عشق کی بدولت امت کرشن سے ٹکے وصول کرتے ہیں۔

میں نے بھی اس کتاب میں خاص تلاش سے رادھا اور کرشن کی کئی تصویریں دی ہیں۔ مگر جو عبارتیں ان مورتوں پر لکھی ہوئی تھیں ان کو کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ میرے عقیدہ کے بالکل خلاف تھیں۔ اور وہ الفاظ لکھدئے جو میرے خیال میں درست اور صحیح تھے۔

عشق بازی کی حقیقت میں اس سے انکار نہیں کرونگا کہ سری کرشن عاشق مزاج نہ تھے۔ میرا ایمان ہے کہ وہ بہت اچھے عشق باز تھے۔ مگر کیسے عشق باز؟ پہلے اس کو بھی تو سمجھنا چاہیئے۔

سری کرشن مظہر عشق تھے۔ وہ عشق کے پاک جذبہ کی ایک مورتی بنکر دُنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا عشق ہوس پرست آدمیوں کی عاشق مزاجی سے بالکل الگ تھا۔ ان کا عشق وہ تھا جس کو حضرت مولانا روم نے اپنی

مثنوی میں یہ کہہ کر ممتاز کر دیا ہے کہ جو عشق گیہوں کھانے اور اس کی غذائیت کے شہوانی انجروں سے پیدا ہوتا ہے نہ حقیقی ہے نہ مجازی یعنے جو عشق غذا کی مادی قوتوں سے آدمی میں جوش مارتا ہے وہ پاک عشق نہیں ہے۔ جائز محبت نہیں ہے۔ بلکہ نفسانی ہے۔ شہوانی ہے۔

اصلی عشق کچھ اور چیز ہے۔ حقیقی عشق جس کی سیڑھی مجاز ہے۔ جُداگانہ شے ہے لوگوں نے بشری غلط فہمیوں سے خدا والوں کی عشق بازیوں کو اپنی گندی اور نفسانی عاشق مزاجی کی آنکھوں سے دکھایا ہے۔ اور کائنات کو بے حیائی اور بیغیرتی سے لبریز کر دیا ہے۔

شکسپیر نے سچ کہا تھا نہ عشق کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے نہ خدا کی ماہیت لہٰذا خدا محبت ہے۔ اور محبت خدا۔

عشق ایک کیفیت ہے جس سے دنیا کی کوئی مخلوق خالی نہیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہی کیفیت عشق ہر موجود و محسوس ہستی کا آئنہ ہے۔ یہ کیفیت نہ ہو تو کوئی چیز نمودی شکل میں دکھائی نہ دے۔

انسان ہی نہیں۔ حیوان۔ درخت۔ گھاس۔ پانی۔ پتھر۔ ہوا۔ بجلی۔ اور تمام نظر نہ آنے والی طاقتیں زنجیر عشق کی اسیر ہیں۔

انسان نے عشق کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے میں طرح طرح کی کوششیں کی ہیں کبھی اس نے اس تہ کو پالیا۔ کبھی وہ اپنی خاکی سرشت کی بدولت گمراہ ہو گیا کیونکہ یہ کوچہ ہمیشہ اس کے لئے دشوار اور مشکل رہا۔ آدمی اپنی فطرتی اور قدرتی خواہشوں کو دیکھتا ہے ان میں لذت بھی پاتا ہے اور تکلیف بھی۔ اس کا دماغ سوچنے والا بنایا گیا ہے۔ وہ ہر وقت گرد و پیش کے حالات اور اپنے اوپر گزرنے والے واقعات سے خدا کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس سے

محبت کرنی چاہتا ہے۔ بعض موقعوں پر اس کا دل حالات کی تکلیف سے گھبرا جاتا ہے تو وہ خدا سے بیزار ہونے لگتا ہے ان دونوں حالتوں میں اس کا ذہن عشق کے لفظ سے مدد مانگتا ہے لیکن عشق کبھی تو اس کو اصلی صورت میں مل جاتا ہے اور کبھی دامن بچا کر ہٹ جاتا ہے اور آدمی اپنے مفروضہ ذاتی بنائے ہوئے خیالی عشق کے دریا میں غوطے کھاتا رہ جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ہر پیغمبر اور ہر قوم کے ہادی میں عشق کی ایک شان رکھی تھی۔ اس شان کی مختلف حالتیں اور صورتیں ہوتی تھیں۔ حضرت آدمؑ میں وہ عشق نسل بڑھانے اور زمین کو آباد کرنے کی کیفیت لیکر نمودار ہوا تھا۔ حضرت نوحؑ میں اس عشق نے قہاری شان اختیار کی تھی۔ عشق کو گوارا نہ ہوا کہ خدا کے بندے غیر خدا کو پوجیں اس لئے اس نے موج ماری اور تمام اغیار پرست آدمیوں کو طوفان میں غرق کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ میں اس کی صفت کچھ اور تھی۔ ان کو خلیل اللہ کا لقب اسی اعتبار سے ملا تھا کہ اس صفت عشق کے پرتوہ سے آدمیوں میں اتحاد و ارتباط پیدا کریں۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ بنائے گئے تھے انہیں باسم کلیم شان عشق نے ظہور کیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس سرمدی اور راز مخفی کو روح اللہ کے لباس میں نمودار کیا تھا۔

آخری اوتار و پیغمبر تمام دنیا کے ہادی حضرت محمدؐ رسول اللہؐ میں یہ عشق اپنی تمام شاخوں کل حصوں اور جملہ شانوں سے جمع ہوا تھا۔ انہوں نے اس کیفیت محبت کے ہر حصہ سے کام لیا۔ اور دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ بصورت مدبری بھی ان میں وہ اعلیٰ تھا بصورت جنگ بازی بھی اس عشق سے انہوں نے سب سے بہتر کام لیا۔ باہمی محبت و اخلاص و انسانی مساوات کا عمل برتر شان سے ان میں اسی واسطے تھا کہ یہ بھی عشق کا ایک حصہ ہے۔ خانہ داری اور معیشت میں انہوں نے اسی عشقیہ قوت کی بدولت آسان اور سہل طریقے برت کر دکھائے جس سے ان کا

عالمگیر رسول ہونا ثابت ہوا کیونکہ کسی مذہب کے فلسفہ بود و باش میں باعتبار عمل کے اس قدر کشادگی اور سہولت نہ تھی جو دنیا کی ہر قوم کے مزاج کو موافق ہو۔

سری کرشن بھی ہندوستان کے ہادی تھے۔ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک بڑی اور اعلیٰ قوم کی رہبری پر مامور کیا تھا۔ پھر وہ دولت عشق سے کیوں محروم رہتے۔

سری کرشن ہندوستان کے سب اوتاروں اور برگزیدہ آدمیوں سے زیادہ عشق کی مختلف کیفیات اپنے اندر لائے تھے۔

ہندوستان میں جس قدر اوتار اور رہنما گزرے ہیں اُن سب میں سری کرشن باعتبار صفت گوناگوں ممتاز تھے۔ ان کی عمر کا پہلا حصہ مظہر حسن عشق تھا۔ درمیانی دور رزم و بزم کا مکمل آئینہ تھا۔ آخری وقت محویت فنائیت دنیا اور تعلقات دنیا سے بیخبری کا تھا۔ کرشن بیتی کے دوسرے حصہ میں خدا نے چاہا۔ حیات کرشن کے ہر حصہ پر الگ الگ بحث کیجائیگی۔ اس وقت تو سرسری اشارے کردئے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس مختصر سی تشریح کے مسلمانوں کی عام غلط فہمی دور نہ ہوسکتی۔

رادھا جی میرے خیال میں کوئی عورت نہ تھیں۔ جیسا کہ عام طور پر ان کو گوپیوں میں تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ رادھا سری کرشن جی کے جذبۂ عشق کا صفاتی نام ہے۔ چونکہ ہندو جذبات و صفات کی تصویریں بنایا کرتے تھے اسواسطے انہوں نے کیف عشق کا جس کے مظہر سری کرشن تھے رادھا نام رکھدیا۔ اور اسکی مورت بھی بنادی۔

میرا خیال بے دلیل نہیں ہے بے اصل نہیں ہے۔ بے وجہ نہیں ہے۔ میں اس خیال کی تائید میں جو ثبوت دینا چاہتا ہوں وہ کوئی باریک منطقیانہ یا فلسفیانہ بات نہیں ہے جسکو موٹی عقلیں سُلجھا کر سمجھ نہ سکیں۔ بلکہ وہ بالکل عام فہم ہے۔ بچّہ بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہندوؤں نے قدیم زمانہ میں صفات خدا کی مورتیں بنائیں تھیں۔ اور ان ہی سے وہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں بندوں کو سمجھایا

کرتے تھے۔ مثلاً ایک بت بنایا جس کے چار ہاتھ ہیں۔ ایک ہاتھ میں اناج کا خوشہ۔ ایک میں کپڑا۔ ایک میں تلوار ایک میں کتاب۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کی ذات ایک ہے۔ وہی روٹی دیتا ہے وہی کپڑا وہی ہلاک کرتا ہے۔ اور وہی ہر شے کا عالم ہے۔ گویا رزاق۔ قہار۔ علیم وغیرہ اسمائے صفاتی کی تصویر جاہلوں کو دکھا دی جاتی تھی۔ پہلے پہلے تو وہ ذریعہ فہم تھیں اور ان مورتوں سے خدا کی قدرتوں کا اور نعمتوں کا علم ہوتا تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں نے ان ہی مثالی مورتوں اور بتوں کو پوجنا شروع کر دیا۔ جس کی اصلاح کے لئے خدا نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ کو بھیجا۔

مسلمان پُرانے مندروں میں جاکر غور سے سب بتوں کو دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا یہ کہنا درست ہے یا غلط۔

رام لیلا کے جلوس میں دیکھا ہو گا راون کی مورت جو بنائی جاتی ہے اُس کے بے شمار ہاتھ ہوتے ہیں اور کئی منہ۔ اور تالو کے اوپر ایک منہ گدھے کا ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ راون کو خدا نے ہر قسم کی قوت دی تھی۔ یعنے ملک گیری اور حکومت کرنے کے اور اس کے اسباب کے ہزاروں ہاتھ اس کو ملے تھے۔ مگر اس پر بھی وہ منافق تھا۔ ایماندار کا ایک منہ ہوتا ہے۔ اور منافق کے بہت سے منہ ہوتے ہیں۔ ایک منہ سے وہ فریب دیتا ہے اور دوسرے منہ سے خوشامد کرتا ہے تیسرے سے ظلم کے حکم صادر کرتا ہے۔ اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے دماغ میں آخرت کی دور اندیشی نہیں ہوتی وہ انجام کے خیال سے بے خبر رہتا ہے۔

راون کے تالو میں گدھے کا منہ یہی ثابت کرتا ہے کہ اس کے دماغ عقل گدھے کی تھی۔ گو ہر قسم کی قوت اس کو ملی تھی مگر انسانی عقل کے جوہر سے وہ محروم تھا۔

اسی طرح ہندوؤں اور ان کے بت خانوں کے جس حصہ پر غور کرو تو کچھ نہ کچھ اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔

رادہاجی کی مورت اور اُن کے قصّوں کو بھی اس پر قیاس کرلو۔ عالم ہندوؤں نے چاہا کہ سری کرشن کے جذبۂ عشق کو الفاظ اور جسم میں سمجھائیں تو انھوں نے اس کیفیت کا نام رادہا رکھا۔ اور اس کی مورت بنا کر دکھادی جیسے کہ انھوں نے علم کی مورت ہاتھی کی شکل میں بنائی اور اس کو گنیش جی کہا۔ کیونکہ ہاتھی بڑا سمجھدار اور دانشمند جانور ہے۔ علم کی مثال اسی کی صورت میں ادا ہونی مناسب تھی۔

اس کتاب میں رادہاجی کی تصویریں میں نے دی ہیں۔ یہ تصاویر بھی پُرانے خیال کے ہندوؤں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ میرا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ رادہاجی کوئی عورت نہ تھیں۔ بلکہ جذبۂ عشق کی محض ایک مثال تھیں کیونکہ ان تصویروں میں سری کرشن کو بڑی عمر کا دکھایا گیا ہے۔ ایک تصویر سے تو سری کرشن کی عمر پچاس برس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے ان انگریز مدبروں کی تصویریں دیکھی ہیں جو ڈاڑہی مونچھ منڈاتے ہیں۔ وہ فوراً کہدیں گے کہ سری کرشن کے استغراق والی تصویر ساٹھ برس کے بوڑھے کی ہے۔ میں نے اس تصویر پر لکھدیا ہے **سری کرشن کا استغراق** اصل میں اس پر لکھا تھا۔ سری کرشن رادہا کے خیال میں اگر رادہا کوئی عورت یا روایت عام کے مطابق گوپی ہوتیں تو سری کرشن جی کو طفل یا نوعمر جوان دکھایا جاتا۔ کیونکہ گوپیوں کے اختلاط کے زمانہ میں سری کرشن بارہ سال کے تھے۔ مگر ان تصویروں میں وہ بوڑھے یا ادہیڑ نظر آتے ہیں اور اس کو تمام ہندو کتابیں تسلیم کرتی ہیں۔ کہ سری کرشن نے بندرابن چھوڑنے کے بعد پھر گوپیوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رکھا۔ راجہ کنس کے مارے جانے کے بعد گوپ اور گوپیاں چاہتی تھیں کہ سری کرشن پھر ان سے پہلا سا میل ملاپ قائم کریں۔ مگر سری کرشن نے صاف جواب دیدیا اور فرمایا کہ اب تم مجھ سے گذشتہ تعلقات کی امید قطع کردو۔

پس اگر رادہاجی واقعی گوپیوں میں کوئی عورت ہوتیں تو تصویر میں سری کرشن کی صورت نوعمر دکھائی جاتی۔ کیونکہ اس عمر طفلی کے بعد تو پھر انہوں نے کسی گوپی یا گوپ سے واسطہ ہی نہ رکھا تھا۔ مگر یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ سری کرشن بڑھاپے کے زمانہ میں ہیں پھر بھلا بڑھاپے اور پوری جوانی کے زمانہ میں گوپیاں کہاں سے آگئیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تصویریں بعد کی بنی ہوئی ہیں جیسی چاہیں بنادیں ان کا اعتبار ہی کیا۔ تو میں جواب دونگا کہ ان ہی تصاویر پر انحصار نہیں ہے۔ بندرابن اور گوپیوں کے وقت کی جسقدر مورتیں صحیح سمجھی جاتی ہیں ان سب میں سری کرشن کی عمر طفلی اور نوعمری کی دکھائی گئی ہے جو بیّن ثبوت اس کا ہے کہ ناروا عشق بازی کے افسانے سراسر غلط۔ اور رادہاجی کا مخصوص عشق کرشن جی کی عمر کے بالکل منافی ہے

ممکن ہے کہ رادہانامی کوئی گوپی ہو۔ اور ممکن ہے کہ سری کرشن بندرابن کے صحراہیں اور گوپیوں کے ساتھ کھیلتے وقت رادہا سے زیادہ مخاطب ہوتے ہوں۔ مگر یہ بالکل غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ رادہا کرشن کی ناجائز معشوقہ نہیں کیونکہ اوپر جس قدر دلیلیں اس خیال کے خلاف لکھی گئی ہیں ان سے خود بخود اس کی تکذیب اور تردید ہوتی ہے۔

یہ ممکن میں نے اس واسطے لکھا کہ رادہاجی کا چرچہ از حد عالمگیر ہے۔ اور لوگوں نے فلسفیانہ استعارہ کو اصل سمجھ رکھا ہے۔ ان کی خاطر سے میں نے لکھدیا کہ رادہا نام گوپی کا ہونا غیر ممکن نہیں۔ لیکن میری تحقیق اور عقیدہ تو یہی ہے کہ رادہا سری کرشن کی صفت عشق کا نام ہے۔ جو ان کی پیدائش سے لیکر وفات تک انکے وجود محسوس کے ساتھ رہی۔

اب میں بحث چھوڑ کر پھر اصل واقعات کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ امید ہے کہ منصف مزاج اور سمجھدار مسلمان میری اس مختصر تشریح سے غلط بہتانوں کو دلسے نکال ڈالینگے۔

اُجالے کی اٹھان

بندرابن کے جنگل میں منگل ہو رہا تھا۔ ہری کرشن اور بلرام کی خوبصورتی اور بہادری کے غلغلے گھر گھر مچے ہوئے تھے۔ بچہ بچہ کی زبان پر کرشن کنہیا کا شام سندر نام اور من موہن کام جاری تھا۔ کہ اڑتے اڑتے یہ خبر متھرا بھی پہنچی۔ چند میل کا فاصلہ ہی کیا ہوتا ہے جو ایسی دھواں دھار خبر چھپی رہتی پہلے متھرا کے عوام نے سنا کہ بندرابن میں اس قسم کے دو عجیب لڑکے ہیں۔ اور انہوں نے از خود قیاس دوڑائے کہ ہو نہ ہو یہ لڑکے جادو نسل کے ہوں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ کنس کے بھانجے ہوں دیوکی اور واسدیو نے گوالیوں میں پوشیدہ کر دیا ہو۔

خلقت کی آواز خدا کا نقارہ اول سے ثابت ہوتی آتی ہے۔ غلط روایتوں اور جھوٹی افواہوں کی تہ میں ایک حقیقت اور اصلیت ہمیشہ ہوا کرتی ہے۔ عوام کے ان چرچوں نے خواص اور درباریوں لوگوں کو بھی چوکنا کر دیا۔ ان کے آپس میں بھی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا سب غلط ہے۔ بازار کے جاہل اوہام پرست ہوتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنا لینا ان کا شیوہ ہے۔ انہوں نے کنس کی احتیاطوں اور خونریزیوں سے بد دل ہو کر یہ خبر تصنیف کی ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتے بیٹھے بیٹھے افواہوں کے گولے لڑکاتے ہیں بھلا دیوکی اور واسدیو کی یہ مجال تھی جو وہ کنس جیسے شکی اور سخت مزاج راجہ کے مقابلہ میں فریب کر سکتے۔ لڑکوں کو پوشیدہ کرنا آسان نہ تھا۔ یہ تو کسی منچلے گوپ نے اپنے لڑکوں کو سپاہ گری کی تعلیم دلائی ہوگی۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ روکھ۔ اندھوں میں کانا راجہ آپ سے آپ ہو جاتا ہے۔ جنگلی بے تہذیب آدمیوں میں ایک دو شخص شائستہ ہو جائیں تو خواہ مخواہ ہر ایک کی نظر پڑنے لگتی ہے جو گڈریوں کے یہ دو لڑکے مشہور ہو گئے۔ اور بازاریوں نے دھوم مچا دی کہ دیوکی کے

بچے ہیں۔

کوئی کہتا نہیں صاحب خبر بالکل سچ ہے۔ گوپوں جیسے وحشی اور صحرائی لوگوں کو ہزار تعلیم و تربیت دی جائے یہ قابلیت نہیں آسکتی۔ جوان دو لڑکوں کے بارہ میں مشہور ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی گوپ نے اپنے لڑکوں کو تعلیم و تربیت سے ایسا لائق بنادیا تو صورت شکل راجہ زادوں کی کہاں سے آگئی۔ سُنا تو یہ ہے کہ ان دونوں کی صورتیں گوپوں سے بالکل الگ ہیں۔ اور دونوں چاند کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں

قصہ مختصر درباری امراء میں گشت لگاتے لگاتے یہ خبر راجہ کنس کے کان میں بھی پہنچی۔ قضا سر پر کھیل رہی تھی۔ اس نے بھی یقین نہ کیا۔ اور پبلک کی گستاخی پر محمول کر کے پیچ و تاب کھانے لگا۔ کہ لوگ دیوکی اور واسدیو سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس قسم کی افواہیں دماغ سے اُتارتے ہیں مگر تجربہ کار امیروں نے صلاح دی۔ دشمن کو حقیر سمجھنا بے عقلی ہے آگ کا پتنگا بھی بڑا ہوتا ہے۔ خبر غلط سہی۔ مگر آپ کا فرض یہ ہے کہ حالات دریافت فرمایئے سچ جھوٹ پر کھئے۔ تحقیق کیجئے ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں آپ کے بھانجے ہیں تو فتنہ مٹا دینا دشوار نہیں وہیں جنگل میں کام تمام کر دیا جائیگا۔ ورنہ دو جی دار اور بہادر پہلوان ہاتھ آئیں گے۔ گوپوں کے ان لڑکوں کو شریک سپاہ کر لیا جائے گا۔ اور تمام ہنرمندی کا فرض ادا ہوگا۔

کنس نے کہا جنگل میں مار ڈالنا مناسب نہیں ممکن ہے تحقیق کرنے والوں کو غلط فہمی ہوئی ہو جس طرح عوام نے سمجھنے میں غلط کی ہے۔ اور اس طرح رعایا کے دو آدمی بیگناہ مار ڈالے جائیں۔

درباریوں نے جواب دیا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو یہاں بلا کر دیکھا جائے اور اَن داتا خود اپنی ذات سے اس کی تحقیق کریں۔

کنس بولا۔ ہاں میں یہی چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ مجھ سے

زیادہ دیوکی کی اولاد کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

کہا گیا تو آپ شکار کے بہانہ سے خود بندرابن تشریف لے چلیئے۔ اور ان لڑکوں کو ملاحظہ فرما لیجیئے۔

اس پر چند امیر بولے یہ مہاراج کی شان کے خلاف ہے۔ کہ جنگلی آدمیوں میں خود تشریف لے جائیں۔ یہی بہتر ہے کہ کسی بہانہ سے اُن کو یہاں بُلا لیا جائے۔

اتفاق سے متھرا میں کشتی کے دنگل کا زمانہ قریب تھا جس میں دور دور کے پہلوان آتے تھے اور کشتیاں لڑتے تھے۔ راجہ اور شہر کی تمام خلقت اس دنگل میں شریک ہوتی تھی۔ اور کشتی جیتنے والوں کو انعام اکرام دیئے جاتے تھے۔

کنس نے کہا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ ان لڑکوں کو دنگل دیکھنے کی دعوت اور پہلوانی کے ہنر دکھانے کا بلاوا دینا چاہیئے۔ اگر وہ قبول کریں تو فوج سے دو خونخوار زبردست پہلوان مقابلہ میں جائیں۔ اور چھوکروں کا کام تمام کر دیں۔

تجویز قرار پائی تو اکرور نامی ایک امیر پیام رسانی پر مامور ہوا۔ اور بندرابن میں نند اور جسودہا سے راجہ کنس کا یہ پیام جا کر کہا۔ نند اور جسودہا نے کنس کا بلاوا سُنا تو وہ لرز گئے۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ راجہ کو شاید خبر ہو گئی ہے کہ کرشن اور بلرام اس کے بھانجے ہیں۔ اب خیر نہیں۔ دیکھیئے ان بے کس شہزادوں پر کیا افتاد پڑے اور ہم دونوں ان کے پرورش کرنے کے جرم میں کیا سزائیں پائیں۔

مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ مجبوراً راضی ہو گئے۔ اور متھرا آنے کا وعدہ کر لیا جب کرشن اور بلرام نے سنا کہ ان کو متھرا بلایا گیا ہے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی اس تیاری سے ثابت ہوتی تھی۔ جس میں وہ مصروف تھے۔ پہلے وہ ایک دھوبی کے پاس گئے اور اُس سے کپڑے مانگے۔ یہ دھوبی راجہ کنس کا تھا۔ ان شہزادوں نے ایسی شدت کا تقاضا کپڑوں کے لئے کیا کہ دھوبی برداشت نہ

کر سکا۔ اور ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا۔ دھوبی کی خود سری کو دیکھ کر کرشن جی نے پہلی بسم اللہ اُسی سے شروع کی۔ اور ایک ہی ضرب تیغ میں اس کمین گستاخ کا کام تمام کر دیا۔

کرشن جی اور بلرام متھرا نہیں جاتے تھے بلکہ موت کے مُنہ میں جا رہے تھے۔ پھر ان کا خوش ہونا کس وجہ سے تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو وہ بسبب خورد سالی راجہ کنس کی نیت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے لیئے بلاتا ہے۔ اور یا ان کو کشف باطن سے معلوم تھا کہ کنس کی ہلاکت میرے ہاتھوں مقدر ہے اسواسطے ان کو خوشی تھی کہ ظالم کا وقت قریب آیا۔ ہندو کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکرور نامی امیر جس کو کنس نے بندرابن بھیجا تھا۔ تاکہ کرشن اور بلرام کو دنگل کا بلا وا دے۔ وہ واسدیو اور دیوکی سے محبت رکھتا تھا۔ اور راجہ کنس کے مظالم سے اس کو نفرت تھی۔ اسواسطے اُس نے نند اور جسودہا اور تمام گوپوں کو مخفی طریقہ سے اطلاع دی تھی کہ کنس کا ایسا ارادہ ہے۔ تم سب لڑائی کے لئے تیار ہو کر آنا۔ ہم سب بھی مدد کے لئے آمادہ و مستعد رہیں گے کرشن جی اور بلرام کو بھی اس کا حال معلوم ہو گیا تھا اور وہ اپنے ماں باپ اور مقتول بھائیوں کے انتقام کے لئے بیچین تھے۔ اور یہی وجہ ان کی خوشی کی تھی۔

الغرض نند اور جسودہا۔ کرشن اور بلرام کو اور تمام گوپوں کو لیکر متھرا روانہ ہوئے اور اُدھر کنس نے پوشیدہ طور سے یہ حکم دیا کہ جسوقت کرشن اور بلرام دنگل میں قدم رکھیں ایک مست ہاتھی انپر چھوڑ دیا جائے۔ اور لوگ غل مچائیں کہ بچنا ہاتھی چھوٹ گیا۔ "بچنا ہاتھی چھوٹ گیا" تاکہ عام لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ راجہ نے بدنیتی سے ہاتھی چھوڑوایا ہے اول تو ہاتھی ان دونوں کا کام تمام کر دے گا۔ لیکن اگر اتفاق سے وہ بچ جائیں تو پھر دو نامی پہلوان ان کے مقابلہ میں اتریں اور اپنے فن کشتی سے ان دونوں کو پچھاڑ کر مار ڈالیں

دنگل کا نظارہ مقررہ مقام پر دنگل آراستہ ہوا۔ رعایا کے تمام عوام و خواص عورت مرد بچے بوڑھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک طرف راجہ کنس اور اس کے تمام امیر تخت اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور دوسری جانب راجہ کی سب رانیاں خیموں کے نیچے جمع ہو گئیں وہیں۔ ایک رُخ واسدیو اور دیوکی بھی آنکر بیٹھ گئے۔ ان کی جان سناٹوں میں جارہی تھی کہ دیکھئے تقدیر کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔ کرشن اور بلرام کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کلیجوں پر پہلے ہی داغ پڑے ہوئے ہیں۔ پلی پلائی دو جوان جہان جانیں بچتی ہیں یا یہ بھی پہلے نونہالوں کی طرح خونی سفاک کے ہاتھوں پامال ہوتی ہیں۔ اُدھر رعایا کے جتنے لوگ جمع ہوئے تھے۔ ان کے دلوں کا بھی عجیب حال تھا۔ ہر شخص واسدیو اور دیوکی کو بیگناہ سمجھتا تھا۔ اور راجہ کنس کی سفاکیوں سے بیزار تھا۔ ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ ہمارے دونوں شہزادے جفا کار کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ اور ان کا بال بیکا نہ ہو۔ مگر وہ جب دیکھتے۔ کہ سامنے بڑے بڑے پہلوان ہیں۔ ملک کا تاجدار ہے۔ خون آشام ہتھیار ہیں۔ فوجوں اور لشکروں کے پرے ہیں۔ تو ان کا کلیجہ دھڑکتا تھا۔ اور ان کے دلوں میں سناٹے آتے تھے کہ جنگل کے گوپ اور ان میں پلے ہوئے شہزادے کیونکر ان خوفناک طاقتوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور کس طرح ان غریبوں کی جان بچے گی۔

غرض تمام دنگل میں ایک عجیب سناٹا اور دُھکڑ پکڑ کا عالم تھا۔ کہ اتنے میں دور سے گرد نمودار ہوئی۔ اور آوازیں بلند ہوئیں کہ وہ آئے۔ وہ آئے "راجہ سے لیکر پرجا تک سب کی نگاہیں غبار کی طرف اٹھیں اور دلوں میں یہ دھڑکن شروع ہوئی کہ امتحان کا وقت قریب آیا۔ خاک کا دامن چاک ہوا۔ گوپوں کا غول دنگل کے قریب پہنچا تو دیکھا آگے آگے دو پری زاد پانچوں ہتھیار سے آراستہ چاند سی صورتیں کمریں باندھے ہوئے چلے آتے ہیں۔ یہ کرشن اور بلرام تھے۔ پیچھے پیچھے بڑھاپے کی دو مورتیں نند اور جسودھا چلی آتی تھیں۔ جنہوں نے ان نور کے پتلوں کو گود میں پال پال کر اتنا بڑا کیا تھا

نند اور جسودہا کے پیچھے سب گوپ۔ مردوں۔ عورتوں اور لڑکوں لڑکیوں کا ہجوم تھا جو اس امتحانی دنگل کی سیر دیکھنے اور اپنے کرشن کنہیا کی جان بچانے کو ساتھ آئے تھے

جوں ہی کرشن اور بلرام نے دنگل کے اندر پاؤں رکھا مجمع عوام سے خیر مقدم کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اور بے اختیار ہر شخص کی زبان پر اپنے شہزادوں کی جے آگئی راجہ کنس یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سُن رہا تھا۔ رعایا کے جوش ہمدردی کو مشاہدہ کر کے وہ کوئلوں پر لوٹا جاتا تھا۔ اور کرشن اور بلرام کے دیکھنے سے اس کی آنکھوں میں خون اُترتا تھا۔ یکایک ایک طرف سے مست ہاتھی نکلکر بھاگا۔ اور سیدھا کرشن اور بلرام کی طرف آیا۔ دنگل میں ابتری پڑ گئی صفیں زیر وزبر ہونے لگیں۔ لوگ ہاتھی کے خوف سے بچکر بھاگنے لگے۔ مگر کرشن اور بلرام اپنی جگہ اڑے کھڑے رہے اور انہوں نے ذرا جنبش تک نہ کی۔ ہاتھی تو دانستہ ان دونوں پر چھوڑا گیا تھا وہ سیدھا اسی طرف آیا۔ چاہتا تھا کہ کرشن اور بلرام کو کچل ڈالے کہ بلرام نے نہایت بہادرانہ جرأت سے ایک برچھا ہاتھی کے کان پر مارا۔ اور کرشن نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی زخمی ہو کر چنگھاڑیں مارتا ہوا بھاگا۔ اور تھوڑی دور جا کر گر پڑا۔ اور مر گیا۔ اس عجیب غریب تماشے کو دیکھ کر آفریں اور شاباش کا غلغلہ پڑ گیا۔ اور تھوڑی دیر کان پڑی آواز نہ سنائی دی۔ راجہ کنس نے جو ان دونوں کی یہ بہادری دیکھی تو وہ بھی سکتہ میں رہ گیا۔ مگر پھر اُس نے اوسان درست کر کے دونوں پہلوانوں کو اشارہ کیا۔ جن کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ وہ دونوں شیطان کے بچے دیو صورت ان پری زادوں پہ کالی گھٹا کی طرح جھکے۔ ایک کرشن کی طرف آیا۔ دوسرے نے بلرام کی طرف ہاتھ بڑھایا چاہتے تھے کہ ایک ہی وار میں دونوں نازنینوں کو اٹھا کر دے ماریں اور پسّو کی طرح زمین پر مسل دیں لیکن کچھ بھی نہ کر سکے اور مجبوراً کشتی شروع کی۔ کشتی شروع ہوئی تو وہ حیران رہ گئے۔ کہ یہ لڑکے پتھر کے

بنے ہوئے ہیں۔ یا لوہے کی۔ کہ ذرا پریشان نہیں ہوتے اور مردانہ وار کشتی لڑ رہے ہیں کشتی دیر تک ہوتی رہی اور تمام دنگل والے ڈرتے رہے کہ دیکھئے اب کیا سامنے آتا ہے۔ شہزادوں کی ان دیوزادوں کے آگے کچھ بھی ہستی نہیں ہے۔ بس کوئی دم کی دیر ہے یہ دونوں شیطان ان نور کے پتلوں کو فنا کر ڈالیں گے۔ مگر قدرت کو تو کچھ اور دکھانا منظور تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھا کہ کرشن اور بلرام نے اپنے ہنر کشتی سے دونوں پہلوانوں کو پچھاڑ ڈالا اور ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔

پہلوانوں کا پچھڑنا تھا کہ بھر دنگل میں ایک غل مچا۔ اور "وہ مارا" "وہ مارا" کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صفوں میں سے گوپ لڑکے دنگل کے اندر آ گئے۔ کرشن اور بلرام کو انہوں نے کندھوں پر چڑھا لیا۔ اور جوش خوشی میں ناچنے اور غل مچانے لگے۔ کنس نے جو یہ کیفیت دیکھی تو حکم دیا کہ ان لڑکوں کو باہر نکال دو۔ اور دوسری طرف جلادوں کو اشارہ کیا کہ کرشن اور بلرام کے ماں باپ دیوکی اور واسدیو کو قتل گاہ لیجاؤ۔ اور فوراً دونوں کا سر قلم کردو۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ نند اور جسودہا کو گرفتار کر لو۔ مگر نہ کسی جلاد نے اس کا حکم مانا نہ کوئی فوجی افسر نند اور جسودہا کو گرفتار کرنے آگے بڑھا۔ کیونکہ ان سب کے تو آپس میں پہلے مشورہ اور سمجھوتا ہو چکا تھا۔

کنس حیرت سے اپنے درباری اور فوجی ملازموں کو دیکھ رہا تھا کہ آج انہیں کیا ہو گیا کہ میں حکم دیتا ہوں اور کوئی تعمیل نہیں کرتا۔ سب کانوں میں تیل ڈالے کھڑے ہیں۔ گویا کسی نے سُنا ہی نہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور ان میں سازش ہوئی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اب کچھ اور تدبیر کرنی چاہئے۔ مگر ابھی کوئی تجویز بھی اس کے دماغ میں نہ آئی تھی کہ سری کرشن دوڑ کر کنس کے تخت کی طرف آئے اور جھپٹ کر تخت پر چڑھ گئے۔ اور کنس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا اور انہیں کھینچکر کنس کو تخت سے گھسیٹ لیا۔

کنس کا کام تمام کیا خدا کی شان ہے کہ اجنبی لڑکا راجہ کے تخت پر چڑھ گیا۔ اس کے بالوں کو پکڑا۔ ان میں جھٹکے دئے۔ یہاں تک کہ اس کو تخت سے زمین پر گھسیٹ لایا مگر کسی امیر نے اتنی جرأت نہ کی کہ راجہ کو بچانے کا ارادہ کرتا۔ اور کرشن کے مقابلہ میں آتا۔ خود بیچارے کنس نے کرشن کا مقابلہ کیا۔ اور کچھ دیر ان سے کشتی لڑی۔ مگر وقت آخر آپہونچا تھا۔ اجل کا سنکھ بج چکا تھا۔ کنس کی ہشت مُشت کام میں نہ آئی اور کرشن نے اُس کو پچھاڑ دیا۔ اور فوراً خنجر نکال کر سرتن سے جدا کر دیا۔ اور اس اسیر ہوس نے خاک و خون میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بڑی مشکل سے جان دی۔

آج اُس کنس کا کام تمام ہوا جس نے دنیا کی زندگی کو ابدی زندگی سمجھ رکھا تھا آج اُس موذی کا تاج خاک میں گر پڑا۔ جس نے حکومت دنیا کی خاطر بہت سے بیگناہ معصوموں کے سر نازنین جسموں سے کاٹ کر خاک بسر کئے تھے۔ دیکھو متھرا کا شہزور قوت والا۔ فوجوں اور ہتھیاروں کا مالک ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا بادشاہ ایک لوہے کے ٹکڑے سے ذبح ہو کر کیا مایوس سر کٹائے پڑا ہے۔ تخت کے نیچے زمین اُس کے ناپاک خون سے لال ہو رہی ہے۔ اُس کی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی ہیں۔ اور آدھی بند ہیں۔ اس کے لمبے بال خاک اور خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

جس لڑکے کا اس کو خطرہ تھا وہ خون بھری تلوار لئے چُپ چاپ کھڑا مسکرا رہا ہے اور کوئی طاقت اس آزاد تبسم کو روکنے والی نہیں ہے۔

جن امیروں نے کنس کا دماغ آسمان پر چڑھایا تھا آج اُس میں سے ایک بھی آگے نہ بڑھا جو اپنے آقا کی جان بچاتا۔ جن لشکروں کے تکبر نے کنس کو فرعون بنایا تھا آج اس سپاہ کی ایک تلوار بھی اس کی حمایت کے واسطے میان سے نہ نکلی۔ کیوں؟ اس واسطے کہ کنس کے ظلم نے خود کنس کو اندھا کر دیا تھا اور اس کے تمام دوستوں اور حمایتیوں کے دل تاریک کر دئے تھے۔ جب دلمیں اندھیرا ہوتا ہے وہ وقت نازک پر جرأت و ہمت

کو بھول جاتا ہے۔ جس دماغ میں حق تلفی اور کمزور آزاری کے نقش ہوتے ہیں وہ دماغ اڑے وقت میں کام نہیں آتا۔ اور اس سے سوچنے اور مناسب کام کرنے کی لیاقت جاتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمبخت مار ڈالا گیا۔ اور کسی نے اس کی پاسداری نہ کی کوئی اس کے انتقام یا بچاؤ کے لئے جگہ سے نہ ہلا۔

البتہ کنس کے آٹھ بھائی کرشن پر حملہ آور ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے خونی بھائی کا بدلہ تلوار سے لینا چاہا۔ مگر یہ آٹھوں بھی کرشن۔ بلرام۔ اور ان کے بعض حمائتی لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور اس طرح ایک پُرانے پاپی کا قصہ تمام ہوا جس کی تمام ستم کاریاں ظہور سری کرشن کا موجب بنی تھیں۔

نخت کو لات ماردی } جب کنس کا کام تمام ہو چکا اور اس کی رانیوں نے نوحوں اور ماتم کی آوازوں کو ذرا تھمایا۔ تو کنس کے ماں باپ ظالم بیٹے کی لاش پر آئے اور دیر تک ماتم کرتے رہے باوجود کنس کی ظلم کاریوں کے اسوقت ہر شخص کو ظالم کے انجام بد سے عبرت ہو رہی تھی۔ اور قتل گاہ کے حاضرین رنجیدہ اور غمگین نظر آتے تھے۔

ایک طرف تو رنج والم کا یہ نظارہ تھا۔ دوسری جانب سری کرشن کے والدین دیو کی اور واسدیو اپنے بچوں کی شاندار کارگزاریاں چپ چاپ کھڑے دیکھتے تھے اور دلیں باغ باغ ہوتے تھے۔ جوں ہی سری کرشن قتل کنس سے فارغ ہوئے تو اپنے بھائی بلرام کو لیکر دوڑے اور ماں باپ کے قدموں پر جا کر گر پڑے اور آنکھیں اُن کے پیروں سے ملنے لگے۔ والدین نے اپنے نونہالوں کو اٹھا کر چھاتی سے لگایا اور خوشی کا رونا روتے رہے + ایک ہی جگہ دو سین نظر آتے تھے۔ ایک رُخ بوڑھے ماں باپ اپنے بیٹے کی لاش پر کھڑے ہوئے آہ کے نعرے مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے اور مرنیوالے کی رانیاں چھاتی پیٹ رہی تھیں۔ مُنہ نوچ رہی تھیں۔ اس کے خوشامدی واویلا مچا رہے تھے۔ اور دوسری سمت مدتوں کے غمگین ماں باپ اپنے بچھڑے ہوئے دو لاڈلوں کو

سینے سے لگائے خدا کا شکرانہ بھیج رہے تھے۔ کہ اس نے مایوسوں کو اور ناامیدوں کو خوشی کا یہ دن دکھایا اور ان کے پردیسی بچے ان کی آنکھوں کے سامنے آئے۔

یہ نظارے ہو چکے تو جادو نسل کے سب چھوٹے بڑے سری کرشن کے قدموں میں آکر گر پڑے اور کہا "تاج و تخت حاضر ہے۔ اب آپ اس کی حفاظت کیجئے"۔ برادری کے امراء کے علاوہ رعایا کے تمام منتخب لوگوں نے اور کنس کے بھی بڑے بڑے امیروں نے اس کی تائید کی کہ آپ تاج و تخت قبول فرمایئے۔ آپ کے سوا کوئی حقدار اس دولت کا نہیں ہے۔

مگر سری کرشن دُنیا میں روپے پیسے کی بادشاہت کرنے نہیں آئے تھے۔ خدا نے ان کو کسی اور کام کے لئے مامور کیا تھا۔ جو اس چند روزہ حکمرانی دنیا سے اعلیٰ تھا اسواسطے انہوں نے دنیاوی تاج و تخت کو لات ماردی اور ان سب لوگوں سے کہا۔ جو سری کرشن کو راجہ بنانے کی درخواست کر رہے تھے کہ "میں اس گدی کا حقدار نہیں ہوں میں نے کنس کو اس لئے نہیں مارا کہ اس گدی کا مالک بنجاؤں میری غرض یہ ہرگز نہیں تھی کہ ظالم لوگوں کی طرح تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے ایک آدمی کا خون بہاؤں۔ میں نے کنس کو اس کی مسلسل سفاکیوں کے عوض قتل کیا ہے۔ میرا فرض یہ تھا کہ ایک پاپی ہستی کو دنیا سے نابود کردوں۔ دیکھو مجھے خدا نے قدرت دی کہ میں باوجود بے طاقت ہونے کے اس پر غالب آیا۔ اور اس کا کام تمام کردیا۔

میں جانتا ہوں کہ متھرا کی حکومت میرے خاندان کا حق ہے اور کنس کے خاندان نے اس کو جبراً لے لیا تھا۔ لیکن آج میں پُرانے قصوں کو فراموش کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ حق تخت اُگر سین کا ہے۔ جو کنس کا باپ ہے۔ جس کو اس کے ظالم اور حریص بیٹے نے معزول کرکے یہ تخت چھین لیا تھا۔ آج میں اگر سین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آئیں۔ اور اپنی ملکیت تاج و تخت کو حاصل کریں۔ میں انکی ویسی ہی

تابعداری کرونگا۔ جیسے کہ اور سب میرے خاندان والے اطاعت و فرمانبرداری کرتے آئے ہیں۔
اگرسین نے کہا ”نہیں بابا میں اب بوڑھا ہوا۔ مجھ میں سلطنت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ میری عین خواہش ہے کہ تم تخت پر بیٹھو۔ اور میں تمہارے سامنے ہاتھ باندھکر کھڑا رہوں“

سری کرشن بولے ”نہیں ہرگز نہیں آپ ہم سب کے بڑے ہیں۔ آپ کے ہوتے ساتھے ہم میں سے کسی کی یہ مجال نہیں ہوسکتی“ یہ کہہ کر اگرسین کا ہاتھ پکڑا۔ اور تخت پر بٹھادیا۔ اور تاج اس کے سر پر رکھ کر تاجداری کے شادیانے بجوادئے۔ اس کے بعد نہایت دہوم دھام اور عزت کے ساتھ کنس اور اُس کے بھائیوں کی لاشیں اٹھوائیں اور شاہانہ ٹھاٹھ سے مرگھٹ میں لے جاکر ان کو جلادیا۔

گوپیوں کی مایوسی جب یہ سب کچھ ہوچکا تو نند اور جسودہا اور تمام گوپیوں اور انکی مستورات گوپیوں نے سری کرشن سے پھر بندرابن چلنے کی خواہش کی۔ جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا ”بس۔ اے میرے رفیقوں۔ اب وہ زمانہ ختم ہوگیا۔ جس میں خدا نے مجھ کو تمہارے ساتھ رکھا تھا۔ میں جانور چراتا تھا۔ جنگلوں میں کھڑے ہوکر بانسری بجاتا تھا اور تمہارے ساتھ رات دن کھیل کود اور ہنسی دل لگی میں مصروف رہتا تھا۔

اب دوسرا وقت آیا ہے۔ اب مجھے کچھ اور کام کرنے ہیں۔ میں تمہاری محبتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے تمہاری ملنساریاں اور دلداریاں ساری عمر یاد رہیں گی مگر تم یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ کرشن اب پھر تم میں رہیگا یا تم اس کے پاس رہوگے۔ اگر ملنا ہوگا کبھی تو اپنے کرشن کی وہ طفلانہ حیثیت نہ پاؤگے۔ جس کو کل تک تم نے دیکھا۔

نند اور جسودہا مثل میرے ماں باپ کے ہیں۔ میں تمام عمر ان کی عزت کرتا رہونگا مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اب میں پھر ان کے پاس بندرابن میں جاکر رہوں۔ سلام اے بچپن کے ساتھیوں۔ تم سب کو سلام۔ خوش رہو آباد رہو“

گوپوں اور گوپیوں نے جب سری کرشن کا یہ صاف جواب سُنا تو وہ سب غمگین ہو گئے۔ گوپوں کے لڑکے اور لڑکیاں آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور سری کرشن کو مایوسانہ دیکھہ دیکھہ کر رونے لگے۔ سری کرشن نے انکو روتا دیکھا تو مسکرائے اور چپ ہو کر منہ پھیر لیا۔

یہ سری کرشن کی معشوقیت کا پہلا ناز تھا۔ پہلی ادا تھی جو ان سے ظاہر ہوئی۔ اور جس سے معلوم ہوا کہ یہ ذات تعلقات انسانی کی آلودگیوں سے الگ اور کچھ اور ہی اونچی شان رکھتی ہے۔ جس کو دُنیا والوں کے میل جول دُکھ سُکھ رنج والم سے قدرت نے بہت بلند پیدا کیا ہے۔

آخر بیچارے گوپ اور گوپیاں حسرت سے سری کرشن اور بلرام کو دیکھتی ہوئیں آنسو بہاتی ہوئیں۔ آخری سلام کر کے پیٹ پھیر کر بندرابن کو چلی گئیں۔ اور سری کرشن اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

تعلیم اُگرسین کی تخت نشینی ہو چکی۔ اور وہ تمام خاندان جو کنس کی زیادتیوں سے چھپ چھپکر جلاوطن ہو گئے تھے۔ پھر ملک میں آکر آباد ہوئے۔ اور تمام ملک کا انتظام درست ہو گیا۔ اور کوئی ظلم وخرابی سلطنت میں باقی نہیں رہی۔ تو سری کرشن کے بھائی بلرام نے تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور کانشی جانے کے واسطے مستعد ہوئے جہاں ہندو علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کہ سری کرشن جی کے زمانہ میں کانشی (یعنی بنارس) میں علم وفن کی کوئی خوبی تھی وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کانشی اسوقت آباد ہی نہ تھا۔ مگر پُورانوں میں یہ صاف طور سے درج ہے کہ سری کرشن جی نے کانشی میں تعلیم پائی۔ بہر حال کہیں پڑھا ہو مقام میں حجت بازی سے کیا حاصل اصل مقصود تو یہ ہے کہ ہلاکت کنس کے بعد متھرا کے باہر پردیس جاکر انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور تمام علوم وفنون روحانی وجسمانی۔ رزمی وبزمی حد کمال تک انہوں نے سیکھے۔ بعض لوگوں کا

بیان ہے کہ (۶۴) دن میں انہوں نے سب کچھ سیکھ لیا۔ اور مہابھارت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیم میں دس برس مصروف رہے۔

جس وقت وہ پڑھنے چلے تو انہوں نے اپنے ماں باپ واسدیو اور دیوکی سے اجازت حاصل کی۔ اور بندرابن میں نند اور جسودہا کو بھی پیام بھیجا۔ اور اُن سے رخصت منگوائی۔ اور تمام گوپ اور گوپیوں کو سلام پیام بھجوائے۔ اور جب تک تعلیم میں مصروف رہے برابر اپنے اصل والدین اور پلنے والے ماں باپ کے پاس خیریت نامے بھیجتے رہے۔

متھرا پر ہولناک یورش۔ سری کرشن جی کے ماموں کنس کی شادی راجہ جراسندھ سے ہوئی تھی جو مگدھ کا شہنشاہ تھا۔ ملک مگدھ غالباً اودھ بہار و اڑیسہ کے ممالک پر شامل ہوگا۔ اُسوقت ہندوستان میں راجہ جراسندھ سب سے بڑا طاقتور مانا جاتا تھا۔ اور سینکڑوں سورما راجوں کو اس نے شکست دیکر اپنا قیدی بنا رکھا تھا۔ کنس کے غرور و تکبر کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کو اپنے خسرے مہاراجہ جراسندھ کی قوت و شوکت کا گھمنڈ تھا جس کے خوف سے سارا ہندوستان ڈرتا اور لرزتا تھا۔

جس وقت ملک مگدھ میں راجہ کنس کے قتل کی خبر پہونچی تو جراسندھ آگ بگولا ہوگیا۔ اور اس نے اپنے داماد کا انتقام لینا چاہا۔ اور ارادہ کیا کہ جادو خاندان کے بچہ بچہ کو فنا کرکے دم لوں گا۔ یہ سوچکر بیشمار سواروں۔ پیادوں اور ہاتھیوں کی فوج لیکر متھرا کی جانب آندھی کی طرح اُٹھا۔ متھرا میں خبر آئی تو یہاں سب کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے اور انہوں نے سری کرشن اور بلرام کو کانشی سے بلوایا۔ یہ دونوں بھائی فوراً روانہ ہوئے اور جراسندھ کے متھرا پہنچنے سے پہلے متھرا پہنچ گئے۔

جراسندھ آیا اور اہل متھرا سے بڑے زور شور کا معرکہ لڑا۔ مگر ان میں سری کرشن اور بلرام نے ایسی بہادری اور لڑائی کے ہنر دکھلائے کہ جراسندھ سے متھرا کا ایک بال بیکا نہ ہوسکا۔ اور وہ مایوس و نامراد اپنے ملک کو اُلٹا پھر گیا۔ مگر دوسرے سال پھر

بڑی بھیڑ بھاڑ سے آیا۔ اور ناکام بھاگا۔ یہاں تک کہ اُس نے اٹھارہ حملہ کئے مگر کسی حملہ میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ تو انیسویں دفعہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام کا ٹڈی دل لیکر بڑی خونخواری کے ساتھ کڑکتا گرجتا حملہ آور ہوا۔

سری کرشن اعلیٰ تعلیم۔ قدرتی ذہانت اور غیبی مکاشفات سے ایسے ماہر جنگ ہوگئے تھے کہ انہوں نے اس دفعہ مقابلہ مناسب سمجھا اور سمجھ لیا کہ اتنے عظیم لشکر کا سامنا کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسواسطے انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور تمام جادو خاندان کے افراد کو لے کر متھرا سے نکل گئے۔ اور کاٹھیاواڑ و گجرات کے آخری کونے پر سمندر کے کنارے ایک قلعہ بنا کر آباد ہو گئے۔ جس کا نام انہوں نے دوارکا رکھا۔ اور جو پہلے کشتی تھلی کے نام سے مشہور تھا۔ یہی دوارکا ہے جو متھرا اور بندرابن کے بعد آجتک تمام ہندوؤں کا مشہور تیرتھ (زیارت خانہ) مانا جاتا ہے۔

کرشن جی جب دوارکا گئے ہیں تو اُن کے ہمراہ خاص ان کی برادری جادو نسل کے (اٹھارہ) ہزار آدمی تھے۔ دوارکا کو انہوں نے ایک مضبوط چھاؤنی اور مستحکم قلعہ بنالیا۔ اور دشمنوں سے محفوظ ہو کر وہاں رہنے لگے۔

کرشن جی کی پہلی شادی ملک برار میں ایک راجہ تھا جس کا نام بھیشمک تھا۔ اور اس کی ایک لڑکی تھی۔ نہایت حسین۔ قبول صورت۔ رُکمنی نام۔ ملکوں ملکوں اس کی صورت و سیرت کی دھوم تھی بڑے بڑے شہزادے رُکمنی کے نادیدہ حسن و جمال پر عاشق ہو رہے تھے۔ سری کرشن جی نے رُکمنی کی تعریف سُنی تو ان کو بھی اس کا خیال ہوگیا۔ اور چونکہ کرشن جی بھی نہایت خوبصورت تھے اور گھر گھر ان کے حسن کا چرچا تھا۔ اسواسطے رُکمنی کے دلمیں بھی بے دیکھے سری کرشن کا عشق پیدا ہوگیا تھا۔ اُس زمانہ میں ہندوؤں کی عورتیں شوہر پسند کرنے میں آزاد و مختار تھیں۔ اور رُکمنی کو حق حاصل تھا کہ وہ خود باپ سے کہکر اپنا خاوند پسند کر لیتی اور سری کرشن سے اس کی شادی ہو جاتی۔ مگر مشکل یہ تھی

کہ سری کرشن کے حریف راجہ جراسندھ کا سپہ سالار ششوپال بھی رُکمنی کا خواستگار تھا۔ اور جراسندھ کی ہیبت راجگان ہندوستان پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شخص اس کے حکم اور اشارے کے خلاف سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ برار کے راجہ بھیشمک (یعنی رُکمنی کے باپ) پر جراسندھ نے ششوپال کے لئے زور ڈالا تھا اور راجہ بھیشمک نے جراسندھ کے دباؤ سے اس پیام کو منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ شادی قرار پاگئی اور ششوپال برات لیکر برار کی طرف روانہ ہوا (ششوپال سری کرشن کا بھی قرابت دار تھا۔ حسن نظامی) سری کرشن جی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی اپنے خاندان کے منتخب سرداروں کو لیکر تبدیل لباس میں برار پہنچے۔

لکھا ہے کہ رُکمنی جی نے خفیہ طور سے خود سری کرشن کو اس کی اطلاع دی تھی اور ان کو بلایا تھا۔ جس وقت سری کرشن منڈین میں پہونچ گئے جو ملک برار کا پایہ تخت تھا تو رکمنی جی نے ان کو اطلاع دی کہ میں مندر جانے کے بہانے سے گھر کے باہر نکلونگی تم فلاں موقع پر سواری لئے تیار رہنا تاکہ میں تمہارے ساتھ دوارکا نکل چلوں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سری کرشن جی رُکمنی کو چپ چاپ رتھ میں بٹھا کر اور لیکر چلے گئے کچھ دیر تو یہ خبر چھپی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ چرچا ہوا اور رکمنی کے بھائی رُکمن کو اس کی خبر لگ گئی تو وہ غصے سے بیتاب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بہادر سواروں کا ایک دستہ لیکر سری کرشن کے پیچھے چڑھ دوڑا۔ اگرچہ سری کرشن بہت تیز جا رہے تھے۔ لیکن رکمن اس یلغار سے آیا کہ سری کرشن راستہ میں اس کے ہاتھ آگئے۔ اور گھر گئے۔ دونوں فریق کے آدمیوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ اور خونریز لڑائی ہونے لگی۔ لیکن آخر رُکمن کو شکست ہوئی۔ اور اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ قریب تھا کہ رکمن بھی سری کرشن کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ مگر رکمنی جی نے اپنے بھائی کی سفارش کی اور سری کرشن اس کے قتل سے باز آگئے۔ رُکمن واپس ہو کر منڈین چلا آیا اور سری کرشن جی رکمنی کو لیکر دوارکا پہونچ گئے اور وہاں

جاکر بہ رسم راکشس رُکمنی سے شادی کرلی۔

ہندو فقہ کے بموجب شادی کی آٹھ قسمیں ہیں۔ان میں سے ایک کا نام راکشس ہے راکشس رسم سے شادی اسوقت ہوتی تھی جب کوئی چھتری نسل کا شخص کسی لڑکی کو بیٹی والوں سے لڑکر یا ان کی مرضی کے خلاف چھپا کر لیجاتا تھا تو راکشس رسم کے بموجب شادی کرتا تھا۔

اس شادی کا ان بہادر لوگوں میں عام رواج تھا۔اور کوئی شخص اس کو عیب نہ سمجھتا تھا۔بلکہ دلیری اور شجاعت کا ایک کارنامہ کہا جاتا تھا سری کرشن جی پر مخصوص نہیں ہے۔اس زمانے کے اور بڑے بڑے بزرگوں نے بھی اس قسم کی شادیاں کی ہیں۔چنانچہ بھیشم پتا ماجو بہت بڑے بزرگ ہندمانے جاتے تھے کانشی کے راجہ کی دو لڑکیوں کو ان کے باپ کی مرضی کے خلاف چھین لائے تھے کیونکہ ان کے باپ نے بیٹی دینے سے انکار کیا تھا۔خود کرشن جی کی بہن سو بھدرا کو کرشن جی کا شاگرد ارجن چرا کرلے گیا تھا۔اور آگے جاکر معلوم ہوگا کہ خود کرشن جی نے ارجن کو خفیہ طور سے اس فعل کی اجازت دی تھی۔کیونکہ سری کرشن کے خاندان والے ارجن کو اپنی بیٹی دینے پر راضی نہ تھے راجہ پرتھی راج کا بھی ایک واقعہ کتابوں میں مذکور ہے۔کہ وہ بھی سن جوگتا نامی لڑکی کو اسی طرح لے گئے تھے۔اور "راکشس" رسم کے موافق اس سے شادی کی تھی۔

جن قوموں کے ہاں یہ رواج نہیں ہے اُن کو اس رسم پر تعجب ہوگا۔بلکہ خود ہندو جنہوں نے اپنی قدیمی روایتوں کو بھلادیا ہے آجکل اس رسم کو سُنکر کہیں گے کہ یہ بہت معیوب رسم تھی۔لیکن اگر وہ فلسفہ شادی پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ اس میں عیب اور خرابی کی کوئی بات نہیں ہے۔شادی عورت مرد کی باہمی رضامندی کا نام ہے جس کی تکمیل سوسائٹی اور برادری کے مجمع میں ہوتی ہے۔لیکن اگر عورت کے وارث عورت کی مرضی کے خلاف جبر کریں تو عورت کو قدرتاً حق حاصل ہے کہ وہ

اپنے پسندیدہ شوہر سے باختیار خود شادی کر لے۔ اور شوہر کو لازم ہے کہ اپنے بازو کی قوت سے مخالفوں کو زک دیکر اس عورت کو ان سے چھین لے جو اُس کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

پس کرشن جی نے جو کچھ کیا اپنے زمانہ کے دستور کے موافق کیا۔ اور ہندو فقہ کی اجازت سے کیا۔ غیر اقوام کو کچھ بھی حق نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے رواج عام پر زبان طعن کھولیں۔

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں} کرشن جی کا نام مہا بھارت کی مشہور لڑائی میں سورج اور چاند کی طرح جگہ جگہ چمکتا نظر آتا ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مہا بھارت سے پہلے ان کو اور بھی کئی معرکے پیش آئے ہیں۔ وشنو پران کے ۲۹ ویں ادھیائے میں ایک لڑائی کا ذکر ہے۔ جس میں سری کرشن نے ملک آسام کے پایہ تخت پراگ جیوتش پہ حملہ کیا تھا۔ اس علاقہ کا راجہ بڑا ظالم تھا۔ جس کا نام نرک تھا۔ یا تو اس کا نام ہی نرک ہوگا۔ یا خلقت نے اس کے مظالم کے سبب سے نرک (یعنی دوزخ) نام رکھ دیا ہوگا۔ راجہ نرک اپنی رعایا کی بیویوں اور لڑکیوں کو چھین چھین کر بہ نیت حرام کاری اپنے گھر میں ڈال لیتا تھا۔ اور ان کے مال و متاع کو بھی ظلم و ستم سے غصب کر لیتا تھا۔

سری کرشن کی بہادری اور مظلوم نوازی کا غلغلہ پڑا تو آسام کے باشندے دوارکا میں سری کرشن کے پاس آئے اور ان سے فریاد کی۔ سری کرشن ان بیکسوں کی مدد کے لئے تیار ہو گئے اور فوج لیکر آسام پہنچے۔ اور راجہ نرک سے بڑی خونریز لڑائی لڑی جس میں راجہ کام آیا۔ اور اُس کے محل میں سے سولہ ہزار عورتیں نکلیں جن کو اس موذی نے قید کر رکھا تھا۔ اور سری کرشن کی بدولت ان بے نواؤں کو رہائی اور آزادی میسر آئی۔

وشنو پران میں ایک دوسری لڑائی کا حال اور لکھا ہے جو کرناٹک کے راجہ بان سے سری کرشن کی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرشن جی کا پوتا انی رودھ راجہ بان کی

لڑکی اوشا پر عاشق ہو گیا تھا۔ اوشا کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے چھتری رسم کے موافق جس کا ذکر اوپر آیا ہے انی رودھ کو پیام بھیجا۔ کہ تو کرناٹک آکر مجھ کو چرا لے اور اپنے ساتھ لیجا۔ میرا باپ ہرگز تیرے ساتھ شادی نہ کرے گا۔ چنانچہ انی رودھ کرناٹک پہنچا۔ اور اوشا کی ترکیب کے موافق محلوں میں داخل ہو گیا۔ قریب تھا کہ اپنی معشوقہ اوشا کو لیکر باہر نکل جائے۔ کہ اتنے میں خبر کھل گئی اور راجہ بان نے اپنی بیٹی اوشا اور رانی رودھ کو گرفتار کر لیا۔ اور قید خانہ میں ڈال دیا۔

چونکہ راجہ بان کی یہ حرکت چھتری دستور کے خلاف تھی اور اُس نے ہندو شاستروں کے حکم کو پس پشت ڈال کر اپنی بیٹی کے پسندیدہ شوہر کو قید کیا تھا۔ اس واسطے سری کرشن پر فرض ہوا کہ کرناٹک پر چڑھائی کریں۔ اور بان کو اُس شرارت کا مزہ چکھائیں۔ چنانچہ سری کرشن اور بلرام فوجیں لیکر کرناٹک پر چڑھ گئے اور ایک مہیب مقابلہ کے بعد راجہ بان کو شکست دی اور اپنے پوتے انی رودھ کو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر دوارکا لے آئے

وشنو پران میں ایک اور لڑائی کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ جنگ بنارس کے راجہ پونڈر سے ہوئی تھی۔ اس راجہ نے یہ شرارت کی تھی کہ اپنا لقب واسدیو اختیار کیا تھا۔ اور ناظرین جانتے ہیں کہ واسدیو سری کرشن کے والد کا نام تھا۔ اور سری کرشن کو بھی واسدیو کے نام سے پکارتے تھے۔ اس شیطنت کے علاوہ راجہ پونڈر نے سری کرشن کو ایک گستاخانہ خط بھی لکھا تھا جس میں اُن کو جعلساز اور مکار کے بیہودہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا۔ مگر آفرین ہے سری کرشن کے ضبط و تحمل کو کہ انہوں نے پونڈر کی تمام کمینہ حرکات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور صبر کر کے چپ ہو گئے۔ اس پر اس بدذات کو یہ جرأت ہوئی کہ دوارکا پر چڑھ آیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ سری کرشن کیلاش کی زیارت کو گئے ہوئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں راجہ پونڈر نے دوارکا پر شب خون مارا۔ سری کرشن جی کو خبر ہوئی تو وہ بھی گرجتے ہوئے ابر کی طرح اٹھے۔ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تلوار

کھینچی۔ اور مسمار کرنے والے اولوں کی مانند راجہ پونڈرک کی فوج کو بھُس بنا کے۔ کہدیا خبیث پونڈرک بھی اسی لڑائی میں جہنم رسید ہوا۔

کورو پانچال } مہا بھارت کا نام سُنا ہو گا۔ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور مشہور لڑائی تھی۔ اور اس کو موجودہ جنگ یورپ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ جنگ کورو اور پانچال دو قوموں کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ علاقوں پر شمالی ہند میں حکمران تھیں۔ کورو قوم کا راجہ پانڈو تھا۔ اور پانچال قوم کا تاجدار دروپد تھا۔

راجہ پانڈو کا ایک بھائی دھرت راشٹر نام تھا۔ مگر دھرت راشٹر آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس واسطے تخت سے محروم رہا۔ اور سلطنت اس کے بھائی پانڈو کے حصہ میں آئی۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک کا نام یدھشٹر۔ دوسرے کا ارجن۔ تیسرے کا بھیم چوتھے کا نکل۔ پانچویں کا سہدیو۔ اور پانڈو کے نابینا بھائی دھرت راشٹر کے بیٹے کا نام دریودھن تھا۔

جب راجہ پانڈو مر گیا۔ تو قاعدہ کے موافق تخت پر پانڈو کے بڑے بیٹے یدھشٹر کو بیٹھنا چاہئے تھا۔ مگر اندھے دھرت راشٹر کے بیٹے دریودھن نے کوشش کی کہ اپنے چچا زاد بھائی یدھشٹر کو محروم کر کے خود تاج و تخت کا مالک ہو جائے۔ بلکہ یہاں تک سامان کیا کہ چچا کے ان پانچوں بیٹوں کو کسی طرح ہلاک کر کے سلطنت کو اپنے واسطے بے خار بنا لے۔

پانڈو کے پانچوں لڑکے عقل میں۔ علم و ہنر میں۔ قابلیت جنگ میں دریودھن سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دریودھن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور یہ پانچوں بھائی اس کے فتنے سے محفوظ رہے۔ مگر آپس میں عناد اور عداوت اتنی بڑھ گئی کہ ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا رہنے لگا۔ اندھے راجہ دھرت راشٹر نے جب یہ حالت دیکھی تو اس نے پانڈو کے پانچوں لڑکوں سے کہا کہ "تم

شہر ورن ورلٹ میں جا رہو۔ وہاں تمہارے واسطے محل تیار کرا دونگا۔ اس میں جاکر آرام سے زندگی بسر کرو۔ اور میرے بیٹے دریودھن سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ چھوڑ دو"۔ اگرچہ دہرت اشتر کا فیصلہ بالکل خلاف انصاف تھا کیونکہ پانڈو کے بیٹے حکومت کے حقدار تھے۔ اور دریودھن کو خواہش سلطنت کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ مگر پانڈو کے پانچوں لڑکوں نے اپنے بزرگ چچا کا کہنا مانا۔ اور ترک وطن پر تیار ہو گئے۔ اور پانچوں میں سے ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ اگر آپ کو نکالنا ہے اور فتنہ وفساد روکنا ہے تو اپنے بیٹے دریودھن کو نکالیے۔ ہم اپنے باپ کے تخت کے وارث ہیں۔ ہم کیوں جلاوطن ہوں؟ مگر نہیں وہ پانچوں اپنے بڑوں کے اطاعت گزار اور نیک خیال لڑکے تھے۔ چچا کا حکم ملتے ہی ورن وراٹ کو چلے گئے۔

شہر "ورن وراٹ" شاید میرٹھ کے پاس ہوگا۔ یا میرٹھ ہی کا نام ورن وراٹ ہو کیونکہ آگے جاکر جس محل کا ذکر آئے گا اس محل کے کھنڈر اب تک ضلع میرٹھ میں موجود ہیں۔ اور میں نے اُن کو دیکھا ہے۔

جب پانڈو کے پانچوں لڑکے ترک وطن پر آمادہ ہو گئے تو دریودھن نے اپنے ایک محرم راز امیر کو جس کا نام پروچن تھا۔ آگے بھیج دیا۔ اور کہہ دیا کہ جو محل یدہشٹر اور اس کے بھائیوں کے لئے تیار کیا جائے اس میں لاکھ اور چند دیگر ایسے مصالحے لگائے جائیں جن کو آگ جلدی پکڑ لیتی ہے۔ اور وہ فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں۔ تاکہ جب پانڈو زادے اس محل میں جاکر آباد ہوں تو ایک دن بے خبری میں رات کے وقت محل میں آگ لگا دی جائے اور یہ پانچوں اس میں جلکر خاک ہو جائیں۔

دریودھن اور پروچن کی اس سازش کا حال یدہشٹر کے دوسرے چچا وِدر کو معلوم ہو گیا اور اس نے اپنے پانچوں بھتیجوں کو اس کی خبر دیدی۔ چنانچہ یہ پانچوں بھائی۔ آگ لگنے سے پہلے محل کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب آگ لگائی گئی تو انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اور محل جلکر ڈھیر ہو گیا۔ محل سے نکلکر ان پانچوں نے برہمنوں کا بھیس بدل لیا اور جنگل

جنگل پھرنے لگے۔ تاکہ ان کا بھائی ور دیو دہن کوئی اور شرارت جان لینے کی نہ کرے۔
لاکھا منڈپ لاکھ کے محل کا ذکر آیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس کے جائے وقوع کو بیان کروں۔ کیونکہ میں نے اس مقام کو بارہا دیکھا ہے۔ اور اس کے دیکھنے سے گذشتہ زمانہ کی تاریخ کا خیال کر کے گھنٹوں مدہوش و بے حال رہا ہوں۔ اس لاکھی محل کا نام ابتک اس علاقہ میں "لاکھا منڈپ" مشہور ہے۔ موجودہ شہر میرٹھ سے سولہ سترہ میل دور قبضہ برناوہ اور قصبہ بنولی کے سامنے اور آبادی شیخوپورہ کے قریب کرشنا ندی کے کنارے ایک بہت بلند ٹیلہ نظر آتا ہے۔ جس کے شرق میں کرشنا ندی بہتی ہے۔ اور شمال میں برناوہ کا قصبہ ہے۔ اور مغرب میں قصبہ بنولی ہے۔ اور جنوب میں بستی شیخوپورہ۔ اس ٹیلے کی سب سے بلند آخری چوٹی پر ایک درگاہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں حضرت مخدوم بدر الدین چشتی کا مزار ہے۔ مخدوم صاحب حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ تھے اور چراغ دہلی صاحب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہٰی کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور آج سے چھ سو برس پہلے حضرت مخدوم بدر الدین نے اس ٹیلہ پر اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ اور وفات کے بعد وہیں ان کا مزار بنا۔ برناوہ اور شیخوپورہ میں ان کی اولاد اب تک آباد ہے۔ اور علاقہ کی زمینداری اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس ٹیلہ کے چاروں طرف بغرض جستجو و تلاش پھرا تو معلوم ہوا کہ درگاہ وسط ٹیلہ پر ہے۔ اور آس پاس بہت بڑا میدان خالی پڑا ہے۔ جو سطح زمین سے اس قدر بلند ہے کہ خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ اس ٹیلے کے اندر ضرور کچھ عمارتیں یا وقت قدیم کی نشانیاں دبی پڑی ہوں گی۔ میں نے ایک جگہ مٹی کا ایک بڑا ادھم گرا ہوا دیکھا جو پانی کے اثر سے گر پڑا تھا۔ اس کے اندر ڈیڑھ فٹ مربع اور تقریباً چھ انچ موٹی اینٹیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلے کے اندر پرانے زمانہ کی یہ عجیب و غریب اینٹیں دبی پڑی ہوں گی۔ اور خبر نہیں اور کیا کیا اس میں مخفی ہوگا۔ ہندوؤں سے کون کہے کہ اپنے اس

تاریخی ٹیلے کو کھدوا کر دیکھو۔ اور اپنے آثار قدیم کی حفاظت پر متوجہ ہو ان کو آج کل نیا آدمی بننے کا شوق زیادہ ہے۔ پُرانی چیزوں سے تو وہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔

یہی وہ "لاکھا منڈپ" ہے جو "دھرت راشٹر" نے اپنے بھتیجوں کے واسطے بنوایا تھا۔ اور یہی وہ لاکھی قلعہ ہے۔ جس میں دریودھن نے اپنے چچازاد بھائیوں کی ہلاکت کیلئے آتشگیر مادے رکھوائے تھے۔ اور ان میں آگ لگوائی تھی۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر سری کرشن بھی آئے ہیں۔ کیونکہ جب ان کی پھوپی رانی کنتی راجہ پانڈو کی بیوی ارجن وغیرہ کی والدہ یہاں رہتی تھیں۔ اور ایک دفعہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک گنگا کے درشن نہ کروں گی (یعنی گنگا کو بہتا ہوا اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں گی) اس وقت تک دانہ پانی نہیں کھانے پینے کی۔ کرشن جی نے ایک بان (ایک قسم کا آتشی ہتھیار) اپنی باطنی طاقت سے پھینکا اور اس بان سے زمین کو چیر کر گنگا کی لہر نمودار کر دی۔ جس کے دیکھنے سے رانی کنتی کی قسم پوری ہوئی۔ یہ مقام "بان گنگا" کے نام سے مشہور ہے۔ اور لاکھا منڈپ سے دو ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہندو وہاں جاکر اشنان کرتے ہیں۔ میں نے بھی اس کو موقع پر جاکر دیکھا تھا۔

دروپدی کی شادی میں نے ابھی لکھا ہے کہ کورو اور پانچال دو قومیں تھیں کوروں کا حال تو سُن لیا جن میں پانڈو اور اس کے پانچوں بیٹے اور دھرت راشٹر اور دریودھن تھے۔

اب پانچال کا حال سنو۔ پانچال کے راجہ درُوپد کی ایک لڑکی تھی۔ جس کا نام دروپدی تھا۔ اس وقت کے ہندو راجاؤں میں بعض جگہ یہ دستور تھا کہ لڑکی کا باپ جب اُس کی بیٹی شادی کے قابل ہو جاتی تو ایک جلسہ دعوت مہیا کرتا تھا۔ جس میں دور دور کے راجہ زادے شادی کے خواستگار جمع ہوتے تھے۔ اور ان کا مجمع عام میں کسی خاص جنگی

ہنر میں امتحان لیا جاتا تھا۔ جو راج کنور امتحان میں کامیاب ہوتا تو راجہ کی لڑکی پھولوں کا ہار اُس کے گلے میں ڈال دیتی۔ اور وہ اس کا شوہر منتخب ہو جاتا اس جلسۂ دعوت کا نام سنسکرت زبان میں سوئمبر ہے۔

چنانچہ راجہ دُروپد نے بھی سوئمبر کا انتظام کیا۔ کیونکہ اُس کی لڑکی دروپدی شادی کے قابل ہوگئی تھی دور دور کے راجہ زادے اور راجہ اس جلسہ میں جمع ہوئے تھے پانڈو کے پانچوں بیٹے یدہشتر۔ ارجن۔ نکل۔ سہدیو۔ بھیم۔ بھی برہمنوں کے لباس میں بھیس بدلے ہوئے اس جلسہ میں آئے اور برہمنوں کی صف میں آکر بیٹھ گئے۔ اس "سوئمبر" میں امتحانی شرط یہ تھی کہ تیل کی ایک کڑاہی میں ایک چکر کے اوپر مچھلی کی تصویر بنائی گئی تھی۔ چکر گردش کرتا تھا۔ اور مچھلی کو بھی اس کے سبب قرار نہ تھا۔ اسواسطے یہ شرط مقرر کی گئی تھی کہ مچھلی کو آنکھ سے دیکھے بغیر صرف تیل میں اس کا عکس دیکھ کر جو شخص تیر چلائے اور مچھلی کی آنکھ کو پھوڑ ڈالے دروپدی کا بیاہ اس سے کیا جائیگا۔

امتحان کا وقت آیا۔ تو ایک ایک شہزادہ اور "راج کنوار" اٹھتا تھا اور تیر چلاتا تھا مگر کسی کا تیر مچھلی کی آنکھ پر نہ پڑتا تھا۔ اور وہ بیچارہ کھسیانہ ہو کر خاموش اپنی جگہ آن بیٹھتا تھا۔ آخر راجہ کرن تیر کمان لیکر اُٹھا تو دروپدی نے جو دربار میں موجود تھی۔ بے اختیار پکار کر "اس رتھ بان کے لڑکے کو بٹھا دو" اس کو امتحان میں شریک نہ کریں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی" دروپدی کا یہ کہنا تھا کہ بیچارے کرن پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور تمام دربار کے لوگ مُسکرانے لگے۔ اور کرن اپنا سا منہ لیکر اُلٹا پھرا اور آکر بیٹھ گیا۔

جب سب "راج کنور" امتحان میں فیل ہو چکے تو ارجن کھڑا ہوا جو برہمنوں کی صف میں برہمن بنا بیٹھا تھا۔ اور اس نے اٹھتے ہی اس پھرتی سے کمان ہاتھ میں لیکر تیر چلایا کہ وہ سیدھا مچھلی کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اور ہدف کے پار ہو گیا۔ دروپدی نے آگے بڑھ کر پھولوں کا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔ گویا اس کو اپنی زوجیت کا سارٹیفکٹ دیدیا۔

دربار میں جس قدر چھتری نسل کے راجہ مہاراجہ بیٹھے تھے وہ سب کے سب ایک دم بگڑ گئے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ دئے۔ بعض نے خنجروں کو میانوں سے کھینچ لیا۔ اور غضبناک ہو کر بولے "یہ کبھی نہیں ہو سکیگا کہ ایک چھتری نسل کی لڑکی کو ایک برہمن جیت کر لیجائے تیر اتفاقیہ مچھلی کی آنکھ میں لگ گیا ہے ہم اپنے جیتے جی کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ایک برہمن ہماری آنکھوں کے سامنے راجپوتی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالے"

دربار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ان پانچوں بھائیوں نے بھی تلواریں میان سے کھینچ لیں اور تلخ باتوں کا جواب ترش تلوار سے دینے پر آمادگی ظاہر کی۔

سری کرشن جی بھی اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ اس دربار میں موجود تھے فساد کی صورت دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے للکار کر کہا۔ "خبردار بیٹھ جاؤ یہ برہمن شرط جیت چکا۔ دروپدی اس کا حق ہو گئی۔ انصاف کے سامنے ذات پات کوئی چیز نہیں ہے۔ اور برہمن تو چھتری سے اونچی ذات ہے۔ کسی شخص کو اس میں اعتراض اور مخالفت کا حق نہیں ہے"

کرشن جی کے چند جملے ایسے گرم اور موثر تھے کہ راجاؤں کی بھڑکتی ہوئی آگ پر ٹھنڈا پانی بنکر پڑے۔ اور دم کے دم میں اس کو بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔ تمام دربار نے دروپدی کے باپ سمیت سر جھکا دیا۔ اور دروپدی کی شادی ارجن سے ہو گئی۔

وقار و اقتدار اب یہاں یہ بات ذرا سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ جو آریہ سماجی سری کرشن جی کو محض دنیا کا آدمی سمجھتے ہیں اور ان کی مذہبی عظمت و برتری تسلیم نہیں کرتے ان کے خیال میں سری کرشن ایک بڑے مدبر اور ایک نہایت دانا و ہوشیار راجہ تھے۔ روحانی یا مذہبی شان ان میں کچھ نہ تھی۔ تو کیا موجودہ واقعہ میں یہ دشواری پیش نہ آئے گی کہ اتنے بڑے دربار میں جہاں سری کرشن جی کے ملک سے اٹھ گنے اور دس گنے بڑے بڑے ملکوں کے راجہ اور سری کرشن کی عمر سے

بہت زیادہ بڑی بڑی عمروں کے مہاراجہ موجود تھے۔ جن میں سری کرشن کی عقل سے زیادہ عقل تھی۔ سری کرشن کے علم سے زیادہ علم تھا۔ سری کرشن کے فنون حرب سے زیادہ لڑائی کے فنون جانتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی جو انہوں نے نوجوان لڑکے کا کہنا مان لیا۔ اور ایسے معاملہ میں مان لیا جو اُن کے خیال میں عزت و ناموس کا معاملہ تھا۔ جس کے لئے وہ لوگ اور آج تک ان کی اولاد مسمی بہ راجپوت جانوں کو کھو دینا کچھ بڑی بات نہیں سمجھتی۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن کی کوئی مذہبی عظمت ان لوگوں کے دل میں ضرور تھی۔ اس کے بغیر وہ ہرگز سری کرشن کا کہنا نہ مانتے اور ایک مجہول الحال بھکاری کو برہمن کو اپنی بیٹی نہ دیتے۔ آگے جا کر اسی قسم کا ایک اور واقعہ آئے گا۔ جہاں بھیشم پتاما جیسے مرد اعظم نے اس کا اظہار کیا ہے کہ میں سری کرشن کی پوجا کرتا ہوں۔ اور بھی چند واقعات ہیں جن کا ذکر آگے جا کر آئیگا۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کرشن جی کی شہرت اور عزت عقلمندی اور فنون حرب کی واقفیت کے سبب نہ تھی کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی بڑا کام اِس وقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ محض روحانی اعتبار سے عام خلقت اور ملکوں کے راجہ مہاراجہ ان کو اوتار اور پیشوائے اعظم سمجھنے لگے تھے۔ چونکہ آریہ سماج والوں کو مسئلہ اُوتار سے انکار ہے۔ اس واسطے وہ سرے سے کرشن جی کی مذہبی عظمت ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے صاحب نے اس پر اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ موقعہ ہوا تو ان کی تحریر پر یا تو اسی کتاب میں یا اس کے دوسرے حصہ میں ایک مفصل ریویو کر کے دکھاؤنگا۔ کہ سری کرشن ضرور ایک مذہبی آدمی تھے۔ اور ہندوؤں کو ان کی عظمت ایک دینی پیشوا کی طرح سے کرنی چاہئے۔

پانچ خاوند بیان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ دروپدی کو جیتنے والا ارجن تھا مگر اس کے خاوند پانچوں بھائی ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ ایک ایک رات ہر بھائی دروپدی کے پاس رہے۔ یہ بیان ایسے وثوق سے ہوتا ہے کہ کوئی ہندو اس کا

انکار نہیں کرتا۔

میرے خیال میں اس میں بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چونکہ ان پانچوں بھائیوں کے آپس میں از حد محبت تھی خصوصاً چاروں بھائی اپنے بڑے بھائی یدہشتر کی بہت تعظیم و عزت کرتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے اجنبیت اور غیریت کو دور کرنے کیلئے یہ سمجھوتا کر لیا ہوگا کہ ارجن کی بیوی سے دیوروں اور جیٹھوں کا سا برتاؤ نہ کیا جائے کیونکہ ہندوؤں کے ہاں عورتیں جیٹھ اور دیور کا بہت لحاظ کرتی ہیں۔ اور شرم و حیا سے نہ اُن کے سامنے بات چیت کرتی ہیں نہ چلتی پھرتی ہیں جس کے سبب بعض اوقات نہایت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور خانہ داری کے کاروبار میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ چونکہ یہ پانچوں بھائی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا تھے بے در بے گھر صورت چھپائے کفنیاں پہنے مارے مارے پھرتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے غیرت دور کرنے اور شرم و حیا کی تکالیف سے بچنے کے واسطے یہ سمجھوتا کیا ہوگا۔ کہ چونکہ ہم پانچوں ایک روح اور ایک قالب ہیں۔ ارجن بھیم ہے۔ اور بھیم ارجن یدہشتر نکل ہے اور نکل سہدیو۔ دیکھنے والوں کو پانچ صورتیں اور پانچ مورتیں نظر آتی ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ سب ایک ہی ہیں۔ اس واسطے ارجن کی بیوی گویا یدہشتر کی بیوی بھیم اور سہدیو کی بیوی گویا ارجن کی بیوی + نہ تو غیری نہ من غیرام

تو من شدی من تو شدم تو تن شدی من جاں شدم
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ صرف آپس کے اخلاص و پیار کا معاملہ تھا۔ اس میں دُنیا کی ان باتوں کو دخل نہ تھا جو عورت مرد میں ہوا کرتی ہیں۔ اگرچہ ہر رات ایک بھائی دروپدی کے ساتھ علیحدہ رہتا تھا۔ مگر دروپدی سے اُس کا وہ تعلق نہ ہوتا تھا جو ارجن کو تھا۔ ان چاروں کی شب باشیاں محض دروپدی کی حفاظت اور باہمی اتحادی فیصلہ کا عمل درآمد تھا

ورنہ گھرداری کے برتاؤ میں سوائے ارجن کے اور کسی بھائی کی دروپدی میں شرکت نہ تھی۔

یوں کہنے کو بے شمار باتیں کہی جاتی ہیں۔ اور ثابت کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ کی اقوام میں عورت کئی کئی خاوند رکھ سکتی تھی۔ اور اس واسطے دروپدی کے اوپر (۵) خاوند رکھنے کا کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ یا اور بھی بہت سی اسی قسم کی باتیں ہیں۔ جن کے تفصیل وار بیان کرنے کو بڑا وقت چاہیئے۔ لیکن میرا تو اس مسئلہ میں دُنیا جہاں سے الگ عقیدہ و خیال ہے۔ اگر اُس زمانہ میں ایک عورت کو کئی خاوند کرنے کا اختیار حاصل بھی ہو تب بھی میں یہی کہونگا کہ دروپدی جی ارجن کی بیوی تھیں۔ اور ارجن ہی نے ان کو جیتا تھا۔ اور ارجن کے چاروں بھائیوں کو دروپدی کی عُرفی زوجیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور وہ ہرگز ہرگز دروپدی سے ملوث نہ تھے۔ کیونکہ ان کے حالات زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاروں خصوصًا یدھشٹر بڑے پاکباز اور نیک چال چلن کے تھے۔ اور مہابھارت کے خونریز ہنگاموں میں جس وقت کہ بڑے بڑے ایمان دار لوگ ڈگمگا جایا کرتے ہیں۔ ان بھائیوں کے قدم حق اور راستی و پاکبازی اور نیک چلنی سے چاول برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں سَرکے۔

یہ جھوٹ ہے کہ دروپدی پانچ شوہروں کی بیوی تھی۔ یہ بہتان ہے کہ پانڈو کے پانچ لڑکے ایک بیوی (دروپدی) میں شریک تھے۔ کوئی کچھ ہی کہے میں تو اپنے خیال اور ضمیر کو ان پاک لوگوں پر بہتان لگانے سے بچاؤں گا۔ اور ہرگز نہ مانوں گا کہ ان لوگوں نے بھول کر بھی ایسا گناہ کیا تھا۔

اندر پرستا کچھ مدت تو یہ پانچوں بھائی ارجن کے خسر راجہ دروپد کے مہمان رہے لیکن جب ان کے چچا دھرت راشٹر دریودھن کے باپ نے سُنا کہ میرے بھتیجوں نے راجہ دروپد کی بیٹی دروپدی کو جیت لیا۔ اور ارجن کی اس سے شادی ہو گئی تو دھرت راشٹر نے خیال کیا کہ میرے بھتیجوں کا ایسی بے سروسامانی میں دروپد کے ٹکڑوں پر

پڑا رہنا میری بدنامی کا باعث ہوگا۔ اور خلقت کہیگی کہ اندھا باپ بے ایمان ہوتا ہے۔ دریودہن نے اپنے بیٹے کی خاطر سگے بھتیجوں کو دردر کی ٹھوکریں کھلوا رکھی ہیں اس واسطے اُس نے اپنے بھائی بھیشم پتاما سپہ سالار فوج کو اور دوسرے بھائی وِدُرجی کو اور تمام اہل دربار کو اپنے پاس جمع کیا۔ اور اُن سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئیے پانڈو کے لڑکوں کا حال ان سب نے سُنکر جواب دیا کہ بہتر یہ ہے کہ اپنے ملک کا کچھ علاقہ بھتیجوں کو دیدیجئے اور غیر راجہ کے دروازے پر ان کو ڈالے رکھ کر اپنے خاندان کی ناک کٹائی نہ کیجئے دہرت راشتر نے اس مشورے کو قبول کیا۔ اور اپنے بھائی وِدُرجی کو ایلچی بناکر دروپد کے دربار میں بھیجا کہ وہ پانڈو کے لڑکوں اور دروپدی کو ساتھ لے آئیں۔ جب وِدُرجی راجہ دروپد کے پاس پہونچے اور انہوں نے اُسے دہرت راشتر کا پیغام کہا تو راجہ دروپد نے جواب دیا کہ چونکہ دہرت راشتر نے مذہبی حکم کے خلاف اپنے بھتیجوں کے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان کے حقوق تلف کرنے میں دہرم کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا۔ اس لئے اس کا میں کچھ فیصلہ نہیں کرسکتا ہسری کرشن یہاں موجود ہیں اور ابھی تک دوارکا واپس نہیں گئے ہیں ہم تم دونوں کو چاہئیے کہ ان کے پاس چلیں۔ اور سارا حال کہکر فتوے پوچھیں اگر وہ یہ جواب دیں کہ پانڈو کے لڑکے اور دروپدی ہستنا پور دہرت راشتر کے پاس چلے جائیں تو مجھے ان کے بھیجنے میں کچھ عذر نہ ہوگا اور اگر ان کی رائے خلاف ہوئی تو مجھ کو اور تم کو ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئیے۔ اور پانڈو زادوں کو ہستنا پور لیجانے کیلئے ضد نہ کرنی چاہئیے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن ایک مذہبی حیثیت اور پوزیشن ہندو عوام اور ہندو حکمرانوں میں رکھتے تھے۔ ورنہ یہ مذہبی معاملہ ان پر نہ رکھا جاتا۔ الغرض وِدُرجی اور راجہ دروپد سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے سارا واقعہ عرض کیا۔ سری کرشن جی نے فرمایا دہرم کی رو سے خطا دہرت راشتر

اور اس کے بیٹے دریودھن کی ہے۔ انہوں نے حقدار پانڈو زادوں کو بے حق کیا اور دریودھن نے ان بیگناہوں کی جان لینی چاہی۔ اسواسطے ان کا وہاں جانا ہرگز مناسب نہیں۔ مگر دہرت راشتر ان کا بزرگ ہے۔ اور اولاد کی سعادتمندی یہی ہے کہ ہر حال میں اپنے بزرگوں کا کہنا مانے۔ لہذا میں رائے دیتا ہوں کہ یہ پانچوں ارجن کی بیوی سمیت ودرجی کے ہمراہ ہستنا پور چلے جائیں۔"

راجہ دروپد نے سری کرشن کے اس حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ اور دروپدی کے روانہ کرنے کا سامان کرنے لگے۔ جب پانڈو زادوں نے یہ خبر سنی تو ارجن سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سری کرشن ارجن پر بہت مہربان تھے۔ اور ان کو اس کے ساتھ از حد محبت تھی اور ارجن بھی اور سب لوگوں سے زیادہ سری کرشن کا معتقد اور فدائی تھا ارجن نے عرض کیا "اگر آپ ہم کو ہستنا پور جانے کی آگیا (حکم) دیتے ہیں تو ہم بسر وچشم اس کی تعمیل پر آمادہ ہیں۔ مگر ہماری یہ التجا ہے کہ حضور بھی ہمارے ساتھ ہستنا پور تشریف لے چلیں۔ تاکہ آپ کی برکت سے ہم پر خاندانی عداوتوں کا کوئی وار نہ چلنے پائے سری کرشن مسکرائے اور ارجن کی درخواست کو قبول کر لیا۔

الغرض یہ سارا قافلہ راجہ دروپد سے رخصت ہو کر ہستنا پور آیا۔ اور یہاں دہرت راشتر نے سری کرشن کے استقبال اور بھتیجوں اور بہو کی آؤ بھگت میں خوب دھوم دھام دکھائی اور چند روز کے بعد اپنے ملک کا ایک حصہ "کھانڈو پرست" بھتیجوں کو دیدیا۔

یہاں بھی دہرت راشتر نے ایمان اور انصاف کو بھلا کر ایک ایسی حرکت کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو وہ اندھے ہونے کے سبب بالکل اپنے بیٹے دریودھن کے ہاتھ میں کٹ پتلی تھا یا خود اسی کی نیت خراب تھی۔ اور لوگ اس کو اندھا بے ایمان پرسچ کہتے تھے۔

"کھانڈو پرست" بالکل غیر آباد اور اجاڑ جنگل تھا۔ یہاں سوائے صحرائی درختوں

اور خونخوار جنگلی قوموں کے اور کوئی صورت آمدنی اور خوبی کی نہ تھی۔ پانڈو زادوں کو جب یہ علاقہ ملا تو ان کے دل ذرا افسردہ ہوئے لیکن کرشن جی نے ان کو سمجھایا اور فرمایا "مرد اور بہادر وہی ہوتے ہیں جو دشواریوں اور مشکلات کو فتح کریں۔ آسانی پسند اور آرام طلب آدمیوں کا جینا دلیروں کے سامنے موت سے بدتر ہے۔ تم اس علاقہ کو لے لو اور اس کو صاف کر کے آباد کرو۔ جب تمہاری ناموری ہوگی اور تم حکومت کرنے کے قابل سمجھے جاؤ گے۔

ارجن نے عرض کیا تو آپ کو ہمارے ساتھ اس وقت تک رہنا ہوگا کہ "ہم کھانڈو پرست" کی جنگلی قوموں کو زیر کریں۔ اور ملک سرسبز و شاداب ہو جائے بسری کرشن نے اس کو منظور کیا اور پانڈو زادوں کو "کھانڈو پرست" آبادکاری میں مدد دیتے رہے۔ تھوڑی ہی مدت میں "کھانڈو پرست" کی کایا پلٹ ہو گئی اور دہ ورد بود ہن کے مقبوضہ علاقہ سے کئی حصہ زیادہ زرخیز اور بارونق نظر آنے لگا۔ اس وقت پانڈو زادوں نے ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام اندرپرست رکھا۔

یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور شاہجہاں کے آباد کردہ موجودہ شہر دہلی کے وسط میں آباد تھا۔ اور اب اُس کے آثار میں سوائے ایک قلعہ کے اور کچھ بھی موجود نہیں ہے یہ قلعہ "پرانے قلعہ" کے نام سے مشہور ہے۔ جب ہمایوں نے اس جگہ شہر دہلی کی بنیاد ڈالی تو ہندوؤں کے اس پرانے اور شکستہ قلعہ کو بھی بنوایا۔ اُس وقت یہ بالکل مسمار ہو چکا تھا صرف بنیادیں نظر آتی تھیں۔ اُن ہی بنیادوں پر قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ لیکن قلعہ پورا ہونے نہ پایا تھا کہ شیر شاہ افغان کی یورش ہوئی اور ہمایوں اُس کے آگے سے شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ اور ہندوستان پر شیر شاہ کا تسلط ہو گیا۔ شیر شاہ نے بھی پایۂ تخت دہلی کو قرار دیا۔ اور اندرپرست کے قلعہ کو پورا کر کے اس کا نام "دین پناہ" رکھا۔ قلعہ کے اندر ایک مسجد بنوائی جو اب تک موجود ہے۔ اور ایک مکان بنوایا جس کا نام "شیر منزل" رکھا اور آجکل اس کو "شیر منڈل" کہتے ہیں۔

ہمایوں جب ایران سے واپس آیا اور ہندوستان پر اس کا دوبارہ تسلط ہوا تو اسی "اندر پرست" قلعہ میں رہتا تھا۔ اور اسی قلعہ کی عمارت "شیر منزل" کی چھت پر سے گر کر مر گیا اور "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" تاریخ ہوئی۔ ہمایوں کے زمانہ میں علاوہ اس قلعہ کے پرانے "اندر پرست" کی بنیادوں پر اور صدہا بڑی بڑی عمارتیں بنوائی گئی تھیں۔ جو اب سب مٹ گئیں اور صرف اکبر کی انا "ماہم انکا" کی مسجد مدرسہ اور "لال چوک" کا دروازہ اور جوہری بازار و موتی بازار کی چند دوکانیں اور چند امرا کی ٹوٹی پھوٹی حویلیاں باقی ہیں۔ باقی سب کچھ فنا ہو گیا۔ ان کھنڈروں کے نشان قلعہ اندر پرست کی فصیل کے نیچے کھنڈروں کی صورت میں کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ جن کے سبب اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ اور آجکل کہ ۱۹۱۶ء ہے انگریزی سرکار کی طرف سے یہ زمین ہموار کی جا رہی ہے۔ اور پرانی بنیادیں کھد کھد کر غاروں اور گڑھوں میں بھری جا رہی ہیں۔ یہ سلوک صرف ناپید اور شکستہ عمارتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ورنہ جن عمارتوں کی کچھ بھی حیثیت اور نمود باقی ہے ان کی مرمت اور درستی ہزار ہا روپے کے خرچ سے ہو رہی ہے۔ (اس تیسرے ایڈیشن کیوقت کہ ۱۹۲۳ء کا زمانہ ہے ان کھنڈروں کی صفائی بند ہے)

"اندر پرست" کی بعض عمارتیں تو فصیل قلعہ کے قریب اس سڑک کے کنارے واقع ہیں جو دہلی سے متھرا کو گئی ہے۔ اور بعض مغرب کی طرف کئی میل میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں سے جی۔ آئی۔ پی۔ کی ریل بمبئی کو جاتی ہے۔ اس ریلوے سڑک کے اور آگے بڑھکر مغرب کے رخ انگریزوں کے مجوزہ شہر دہلی کی عمارتیں بن رہی ہیں۔ ہمواری میدان کیلئے یہاں بھی بہت سی پرانی نشانیاں زیر و زبر ہو گئی ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ نے بانمود عمارتوں کو بچانے کی ہر جگہ کوشش کی ہے۔

کہ ناظرین کو شہر "اندر پرست" کی وسعت معلوم ہو جائے۔ غالباً یہ شہر ہمایوں کے مقبرہ سے بلکہ شاہجہانی شہر دہلی تک تین میل جمنا کے

کنارہ کنارہ پھیلا ہوا تھا۔ اور مغرب میں بھی اس کی وسعت تین چار میل سے کم نہ تھی۔ جہانگیر کے عہد تک یہ شہر آباد تھا۔ کیونکہ شاہجہانی شہر کے دہلی دروازے کے پاس جہانگیری امیر مہابت خاں کی حویلی اور مسجد کے کھنڈرات ابتک موجود نظر آتے ہیں۔

ہندوؤں سے درخواست } چونکہ آجکل انگریزی گورنمنٹ "اندرپرست" کے پرانے قلعہ کی مرمت کر رہی ہے اور اُس نے وہاں کی گنوار آبادی کو اُٹھا کر دہقانی مکانات کو صاف کرا دیا ہے اس واسطے ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ سرکار سے اس قلعہ کے اندر اپنی ایک تاریخی لوح لگانے کی درخواست کریں۔ مسلمانوں کی یادگار تو اس قلعہ کی فصیل۔ مسجد۔ اور "شیر منزل" موجود ہے اور جو ہمیشہ مسلمان نسلوں کو یاد دلاتی رہیگی کہ یہاں انکے بزرگ حکمراں تھے مگر ہندو نسلوں کے واسطے یہاں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے۔ جس سے ان کو معلوم رہے کہ یہ وہی اندرپرست قلعہ ہے جہاں ان کے شہرۂ آفاق بزرگ ارجن۔ بھیم یدھشتر رہتے تھے اور یہی وہ پاک خاک ہے۔ جس کے ذروں پر سری کرشن جیسا ہندوستان کا مقتدائے اعظم چلتا پھرتا تھا۔

اب تک سرکاری کاغذات میں اس رقبہ کا نام "اندرپرست" درج ہوتا ہے اور ہر قسم کی مادی اور علانیہ دلیلیں اس بات کی موجود ہیں کہ یہی جگہ ہندوؤں کی تاریخی افسانہ خواں ہے۔ اگر آج ہندوؤں نے توجہ نہ کی تو اُن کی نسلیں بھول جائیں گی بے خبر ہو جائیں گی۔ اور سوائے کتابوں کے انہیں معلوم نہ ہوگا کہ اندرپرست کہاں تھا۔ لوح لگ جائے گی تو ہر ہندو فرزند اُس کو دیکھے گا۔ اور اپنے بڑوں کے کارناموں کو یاد کریگا اور اس مقامی زمین کو دل سے مٹنے نہ دے گا۔

ارجن کی دوسری شادی } جب اندرپرست آباد ہو چکا تو سری کرشن اپنے وطن دوارکا کو چلے گئے اور کچھ دن کے بعد ارجن اپنے گرو کی زیارت کرنے دوارکا پہنچا۔ سری کرشن اور اُن کے خاندان والوں نے ارجن کی خوب خاطر داریاں کیں اور مہمان نوازی کا کوئی

حق باقی نہ چھوڑا۔

ارجن ابھی دوارکا میں ٹھیرا ہوا تھا کہ دوارکا کے پاس ایک پہاڑی پر کوئی میلا لگا جس میں دوارکا کے سب باشندے جمع ہوئے۔ ارجن اور سری کرشن بھی آ گئے وہاں سری کرشن کی سگی بہن سوبھدرا میلے کی سیر کرتی ہوئی ارجن کو نظر آ گئی۔ سوبھدرا نہایت حسین اور مہ جبین لڑکی تھی۔ ظاہر ہے جس کا بھائی کرشن ہو وہ کیسی قبول صورت عورت ہوگی۔ ارجن سوبھدرا کو دیکھتے ہی دل و جان سے فدا ہو گیا اور اس کے چہرے پر بیتابانہ ازخود رفتگی کے آثار دیکھکر سری کرشن جی سمجھ گئے کہ اس کا جی سوبھدرا پر آیا ہے۔ انہوں نے خود ہی مسکراکر فرمایا۔ کہ "جو سپاہی دن رات جنگلوں میں پھرنے اور میدانوں میں تلوار چلانے کو پیدا ہوا ہو اُس کو عشق سے کیا سروکار ہے"؟

ارجن کو معلوم نہ تھا کہ یہ لڑکی کرشن جی کی بہن ہے اس واسطے اس نے بے تکلفی سے کہہ دیا کہ میں اُس لڑکی پہ مبتلا ہو گیا ہوں جو ابھی سامنے سے گزری تھی۔ سری کرشن پھر مسکرائے اور فرمایا کہ "وہ میری بہن ہے" ارجن یہ سُنکر جھیپ گیا۔ اور گردن جھکالی۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ "اے ارجن مجھے تو کچھ بھی عذر اس میں نہیں ہے کہ اپنی بہن کے ساتھ تیری شادی کردوں۔ کیونکہ تو بڑا بہادر اور ہر اعتبار سے لایق نوجوان ہے۔ اور رشتہ کرنے میں جن خوبیوں کو دیکھا جاتا ہے وہ سب تجھ میں موجود ہیں۔ مگر یہ میرے بھائی بند اور خاندان والے اس قدر ضدی ہیں کہ وہ ہرگز تجھ کو قبول نہ کرینگے خواہ میں اُن کو کتنا ہی سمجھاؤں امید نہیں پڑتی کہ وہ مانیں۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تو چھتریوں کی راکشس رسم کے موافق سوبھدرا کو چرالے اور چپکے سے بھگا کر لیجا۔ اور "اندرپرست" پہونچکر "راکشس" ریت کے موافق اس سے شادی کرلے ارجن اس تجویز پر آمادہ ہو گیا اور ایک دن سوبھدرا کو دوارکا سے لیکر بھاگ نکلا جب ارجن بھاگ چکا تو جادو قوم کو خبر ملی اور اُس نے سنکھ بجایا۔ فوراً تمام لڑنیوالے جوان ہتھیار لیکر جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے

کہا ارجن نے ہماری ناک کاٹ ڈالی ہمیں خبر نہ تھی کہ جس شخص کے ساتھ ہم ایسی خاطرداری کا برتاؤ کر رہے ہیں وہ ہماری آبرو کا لیوا ہوگا۔ اور ہماری لڑکی کو بھگا کر لیجائیگا۔ فوراً چلو اور ارجن سے اپنی بیٹی کو چھڑا لاؤ۔ اور اُس کو ایسا مزہ چکھاؤ کہ ساری عمر یاد رکھے کہ جادو قوم بے غیرت اور بزدل نہیں ہے۔

غرض ہر شخص اپنے جوش اور غصہ کو ظاہر کرنے کے لئے تلوار چمکا کر دھواں دھار تقریر کرتا تھا۔ مگر سری کرشن چپ چاپ کھڑے مُسکراتے تھے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ سری کرشن کچھ نہیں بولتے تو کرشن جی کے بھائی بلرام آگے بڑھے اور غصہ سے بیتاب ہو کر بولے۔ "اے کرشن تم کیوں چپ ہو؟ تم کیوں نہیں بولتے؟ تمہاری ہی وجہ سے ہم نے ارجن کی ایسی خاطرداری کی تھی۔ مگر اُس نے اس کمینی حرکت سے ثابت کیا کہ وہ ہرگز اس مدارات کے قابل نہ تھا۔ اس نے تو ہمارے سروں کے اوپر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ اُس نے تو ایسی بات کی جس نے ہمارے خاندان کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ ہم ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ ہم بدلہ لیں گے ہم تلواروں سے کورو خاندان کا ستیاناس کر دیں گے۔ اور ایک بچہ بھی اس قوم کا زمین پر جیتا نہ چھوڑیں گے۔ اے کرشن ہمارے جسم میں جادو نسل کا خون ہے وہ گرما رہا ہے اور انتقام انتقام کی آواز دے رہا ہے۔ تم بھی بولو۔ تم بھی بڑھو۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم اندر پرست کی زمین کو اکھاڑ کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ اور دنیا کو دکھا دینگے کہ جادو قوم ناموس کی خاطر کیا کیا کچھ کر سکتی ہے"

بھائی کو بُری طرح بپھرا ہوا دیکھ کر سری کرشن پھر مُسکرائے اور بولے "اے بھائی اور اے بھائیو! ارجن نے ہماری بے عزتی نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارے خاندان میں عیوض لیکر لڑکی دینا بڑے عیب کی بات ہے۔ اس واسطے وہ اپنی دولت اور حکومت کے عیوض تم سے لڑکی نہیں مانگ سکتا تھا۔ نہ اس کی بہادری اور عزت و شان اسکو گوارا کر سکتی تھی کہ ایک لڑکی کے لئے بلامعاوضہ تمہارے آگے ہاتھ پھیلاتا۔ اور

کنیاں دان مانگتا۔ اس لئے اس نے تم چھتریوں کی مروّجہ چال چلی۔ وہ تمہاری لڑکی کو چھپا کر لے گیا بے شک سوبھدرا تمہاری آبرو والی اور نامور لڑکی ہے۔ مگر ارجن بھی گم نام اور کوئی کم ذات نوجوان نہیں ہے۔ وہ ایک شاہی نسل کا لایق فرزند ہے۔ وہ ایک ایسا بہادر آدمی ہے جس کا ثانی آج ساری زمین پر مجھ کو کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ تم کو معلوم ہے کہ تمہاری لڑکی کی عصمت شادی تک محفوظ رہیگی اور اُس میں خیانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریف شہزادے جنہوں نے لڑکیوں کو اس طریق سے بھگایا ہے۔ شادی کی رسم ادا ہوئے بغیر کبھی کسی عورت کی آبروریزی نہیں کیا کرتے۔ ارجن نے بھی ہرگز ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی ایک شریف راج کنور ہے۔ اور "راکشس" رسم کے بعد دھرم کی رو سے اس کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ اور پھر اس میں کوئی بے عزتی کی بات باقی نہیں رہتی۔

پس میری رائے یہ ہے کہ فتنہ فساد کا ارادہ چھوڑ دو۔ ارجن سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ تم اس پر ہرگز فتح نہیں پا سکتے۔ جاؤ اور خوشی خوشی اس کو واپس بُلا لاؤ اور اپنی رضامندی کے ساتھ سوبھدرا کی شادی کر دو۔ اگر تم لڑے اور شکست کھا کر بھاگ آئے اُس وقت البتہ بدنامی ہوگی جس طرح میں کہتا ہوں اس میں کچھ بھی بدنامی کی بات نہیں"

بہزار وقت کرشن جی نے سمجھا بجھا کر بھائیوں کے غصّہ کو دھیما کیا۔ اور وہ لوگ بموجب فرمان سری کرشن ارجن کو راستہ میں سے اُلٹا پھیر لائے۔ اور خوشی خوشی سوبھدرا کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ شادی کے بعد ارجن تو سوبھدرا کو لیکر تنہا "اندر پرست" چلا گیا۔ اور بعد میں سری کرشن کو بلرام اور تمام افسران قوم سوبھدرا کا جہیز لیکر "اندر پرست" گئے۔ جہیز میں سونے چاندی کی گاڑیاں۔ جڑاؤ زیور قیمتی کپڑے اور بے تعداد سامان تھا۔ جب "اندر پرست" کے قریب پہونچے ارجن کے بھائی سہدیو اور نکل نے شہر کے باہر آکر بہت دھوم دھام سے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اور مہمانوں کا جلوس جھنڈوں اور پھریروں کو اڑاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے بازار اور گلی کوچے خوب صاف کئے گئے تھے اور ان پر چھڑکاؤ

ہوا تھا۔ بازاروں اور کوچوں کے ناکوں پر پھولوں اور سبزیوں کے چمن سجائے گئے تھے۔ اور پھولوں پر گھڑی گھڑی عرق صندل چھڑکا جا رہا تھا جس سے تمام شہر خوشبو سے معطر اور مہک رہا تھا۔

سری کرشن کی پوجا بیانات تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سری کرشن جلوس کو لے کر شہر میں داخل ہونے لگے تو دروازے کے پاس تمام بڑے بڑے علماء برہمن اور سرداران ملک و فوج اور تاجرانِ ذی وقار صفیں باندھ کر آگے بڑھے اور سری کرشن جی کی اُن سب نے مل کر پوجا کی۔ آریہ سماجی حضرات اس تاریخی واقعہ کا کیا جواب دیں گے؟ حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ سری کرشن کی ساری زندگی میں کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ ثبوت بہم پہونچے کہ سری کرشن مذہبی آدمی تھے جناب لالہ لاجپت رائے صاحب نے اپنی کتاب "لائف سری کرشن" میں اس بات کو بہت زور دے کر لکھا ہے کہ سری کرشن کی ساری زندگی میں مذہبی پیشوائی کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ مگر آج جبکہ اندر پرست کے دروازے کے سامنے بڑے بڑے عالم برہمن۔ بڑے بڑے ملکی و فوجی افسر۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ سری کرشن کے قدموں میں سر جھکا رہے ہیں اور کتاب "مہابھارت" تاریخی زبان میں اُس کی گواہی دے رہی ہے تو کیا اب بھی سری کرشن کے پیشوائے دین ہونے میں کچھ شک باقی رہ جائیگا؟

کیا دنیا دار سمدھیوں کی خاطر یوں ہی ہوا کرتی ہے کہ علماء اور برہمن بھی ان کے قدموں پر اپنا سر رکھدیں۔ حاشا و کلا ہندؤں کے برہمن اگلے زمانہ میں بڑی عزت رکھتے تھے۔ اور کسی دُنیا دار کے آگے اُن کا سر نہ جھکتا تھا۔ یہ سری کرشن کی مذہبی بزرگی تھی جس کے آگے برہمن بھی جھک گئے۔

جراسندھ کی ہلاکت کرشن جی اپنی بہن کا جہیز لیکر "اندر پرست" میں آئے تو یہاں انہوں نے کچھ مدت قیام فرمایا۔ اور ان کی امداد سے ارجن اور اس کے بھائیوں نے "کھانڈو پرست" کی تمام وحشی اور جنگجو اقوام کو مسخر کر لیا یہ قومیں وہ تھیں جن کو فتح کرنے کی آج تک کسی ہندو راجہ کو ہمت نہ ہوئی تھی کیونکہ یہ اقوام تعداد میں بہت زیادہ تھیں اور نہایت

سرفروش اور جانباز سمجھی جاتی تھیں۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ان کا قیام ایسے گھنے جنگلوں میں تھا جہاں کوئی شائستہ اور شہری آدمی بحالت امن بھی نہ جا سکتا تھا لڑنے جانا تو شے دیگر ہے۔ مگر سری کرشن کی جنگی تدبیروں اور عاقلانہ خوش انتظامیوں کی بدولت پہلے خار دار جنگل اور بن کاٹے گئے اور اُس کے بعد ان ٹڈی دل اقوام سے معرکہ آرائی ہوئی جس سے تمام دیوزاد فرقے ارجن اور ان کے بھائیوں کے مفتوح اور محکوم ہو گئے۔

یہ ایک ایسی فتح تھی جس نے پانڈوزادوں کی دہاک سارے ہندوستان پر بٹھا دی بڑے بڑے راجہ مہاراجہ پانڈو کے پانچوں بیٹوں کے نام سے تھرانے لگے۔ کیونکہ ان کی سی فتوحات اور ایسی فوری فتوحات آجتک کسی بڑے سے بڑے راجہ کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ راجگان ہند کے مرعوب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سری کرشن جیسا عاقل و فرزانہ اور پیشوائے دین ان بھائیوں کا پشت پناہ تھا۔ یہ پانچوں بھائی سری کرشن کے پھوپی زاد بھائی ہوتے تھے۔ لیکن اس قرابت کے علاوہ سری کرشن کے ساتھ ان پانچوں کو ایسی عقیدت تھی اور اس قدر نیازمندی کے ساتھ یہ پیش آتے تھے کہ سری کرشن بھی ان پانچوں سے زیادہ کسی سے محبت نہ رکھتے تھے۔

ان فتوحات سے یہی فائدہ نہیں ہوا کہ پانڈو کے لڑکوں کو بڑا وسیع ملک مل گیا۔ بلکہ مفاد سب سے بڑھ کر یہ حاصل ہوا کہ مفتوح اقوام سری کرشن کی تدبیر سے پسران پانڈو کی مطیع اور فرمانبردار ہو گئیں۔ اور ان کو بنا بنایا ایک عظیم الشان لشکر مل گیا۔ ان ہی مفتوح اقوام میں مایا نام ایک بڑا مشہور انجینیر تھا۔ جس کو فن تعمیر میں بڑی مہارت تھی۔ اور وہ ایسے عجیب و غریب مکان بنانے جانتا تھا جس کی نظیر ہندوستان بھر میں کہیں نہ ملے۔

جب مایا کی جان بخشی کی گئی تو اس نے بطور شکر گزاری کے پسران پانڈو سے عرض کیا "آپ نے میری جان کو امان دی ہے تو میں اس کی یادگار میں ایک ایسا مکان بنانا چاہتا ہوں جس کی مثال ہندوستان کے کسی راجہ کے ہاں نہ ہو"

مایا کی درخواست قبول کی گئی تو اس نے پانچہزار ہاتھ کے رقبہ میں ایک دربار خانہ تعمیر کیا۔ جس کے ستون سُنہری تھے۔ اور جس میں جواہرات اور موتی جڑے گئے تھے جن کی آب و تاب سے سورج چاند کی روشنی ماند ہوتی تھی۔

جب یہ مکان تیار ہو چکا اور دور دور سے راجہ مہاراجہ اس کو دیکھنے آنے لگے جو اس محل کو دیکھتا حیرت زدہ ہو جاتا۔ اور پسران پانڈو کی شوکت و عزت کے آگے سر جھکا دیتا تو یدھشٹر اور اُس کے بھائیوں کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اب۔

راج سویگ یگ کرنا چاہئے۔ تاکہ یہ رسم ادا کر کے شہنشاہی لقب اختیار کیا جائے۔

"راج سویگ" اُس زمانہ کے راجاؤں میں ایک رسم تھی۔ جب کوئی راجہ شہنشاہی لقب اختیار کرنا چاہتا تھا تو پہلے راج سویگ کا جلسہ منعقد کرتا۔ اور تمام راجگان ہند کو مدعو کر کے سب کے سامنے شہنشاہ بنتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ جلسہ کرنے سے ایک سال پہلے راجہ کا ایک خاصہ گھوڑا جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا گھوڑے کو اختیار تھا جہاں چاہتا کھُلا پھرتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کو باندھتا یا اس پر سوار ہوتا۔ جب گھوڑے کو اس آزادی کے ساتھ پھرتے پھرتے سال بھر گزر جاتا اس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ اب کوئی شخص گھوڑے والے راجہ کی برابری کرنے والا یا اُس سے بڑھ کر ملک میں نہیں ہے اور اس کے گھوڑے پر کسی شخص کو سوار ہوتے یا اس کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لہذا اب یہ راجہ اس قابل ہے کہ تمام راجگان ہند کا شہنشاہ تسلیم کیا جائے۔

پانڈو کے پانچوں لڑکوں میں بڑا بھائی یدھشٹر تخت نشین اور راجہ بنا ہوا تھا اور چاروں بھائی اس کے قوت بازو تھے۔ جب محل تیار ہو چکا اور گھوڑے کی رسم بھی پوری ہو گئی تو یدھشٹر نے سری کرشن سے عرض کیا "اے مہاراج میرا ارادہ "راج سویگ" کرنے اور شہنشاہی لقب اختیار کرنے کا ہے۔ آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟" سری کرشن نے فرمایا "بے شک خدا نے تجھ کو ملک۔ دولت۔ طاقت۔ فوجیں۔ اطاعت گذار

بھائی۔ اور سب کچھ وہ سامان دیا ہے جو ایک شہنشاہ کے پاس ہونا چاہئے۔ اب ہندوستان میں کوئی راجہ تیری ہمسری کے قابل نظر نہیں آتا۔ مگر ابھی ایک کانٹا موجود ہے۔ جبتک وہ نہ نکلے تیری شہنشاہی تمام ہندوستان میں تسلیم نہ ہوسکیگی۔ اور وہ جراسندھ راجہ ہے جس نے (۸۶) بڑے بڑے خاندانی راجاؤں کو فتح کرکے غلام بنا رکھا ہے۔ اور جس کی فوجی طاقت کا یہ عالم ہے کہ میں بھی اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور گھر چھوڑ کر جلاوطن ہوگیا پہلے جراسندہ کو نیچا دکھا۔ مخلوق خدا کو اس کی ظلمی قید سے نجات دلا۔ پھر تجھ کو شہنشاہی لقب زیب دیگا۔

یدھشٹر یہ سنکر چپ ہوگیا۔ اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اور اس نے کہا کہ "اے کرشن جب تم جیسا ظاہری اور باطنی قوت رکھنے والا آدمی جراسندہ کی تلوار کے سامنے نہ ٹھیر سکا تو پھر میری کیا ہستی ہے جو میں اُس سے مقابلہ کروں"

اس پر یدھشٹر کے چاروں بھائی جوش میں آگئے اور انہوں نے نہایت مردانہ تقریریں کیں اور جراسندھ سے لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ تو یدھشٹر نے کہا کہ اپنی ناموری اور شہنشاہی کے لقب کی خاطر میں ایک آباد سلطنت کو کیوں تباہ کروں۔ میرا دل اس فعل کو گناہ اور پاپ سمجھتا ہے" سری کرشن نے فرمایا "ہم تیری عزت اور شہنشاہی قائم کرنے کی غرض سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد تو اس ظالم سے ان ستمگاریوں کا انتقام لینا ہے جن کی ہندوستان کے ہر گھر میں دہوم ہے۔ اور جنہوں نے ہزاروں کلیجوں میں ناسور ڈالدئے ہیں۔ میں جراسندھ سے فوجی لڑائی نہیں لڑوں گا۔ جس میں بے گناہ سپاہیوں کی خونریزی ہو۔ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ میں ارجن اور بھیم تین آدمی جراسندھ کے پاس جائیں اور تنہا اُس سے مقابلہ کریں۔

یدھشٹر نے کہا "تم تین آدمی اتنے بڑے خونی راجہ کا مقابلہ کیونکر کرسکو گے جس کے پاس بیشمار فوجیں ہیں" سری کرشن بولے "تمہیں اس سے کچھ سروکار نہیں اسکو میں

خود سمجھ لوں گا۔ میرے ساتھ فقط ارجن اور بھیم کو بھیجدو" یدھشٹر نے کہا "مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ شوق سے یہ دونوں آپ کے ساتھ جائیں" سری کرشن نے جب یدھشٹر کی اجازت حاصل کرلی تو ارجن اور بھیم کو تارک الدنیا برہمنوں کا سا لباس پہنایا اور خود بھی ویسے ہی کپڑے پہن لئے اور اندرپرست سے روانہ ہوکر جراسندھ کے پایۂ تخت میں پہونچ گئے شہر کے دروازے کے قریب جاکر سری کرشن نے فرمایا "ہم اس دروازے میں سے داخل نہیں ہوں گے۔ ورنہ ہم پر امن کی ذمہ داری عاید ہو جائے گی۔ اور ہم گویا جراسندھ کے زیر سایہ بنجائیں گے۔ اس واسطے شہر کے اندر حریف اور غنیم کی طرح جانا چاہیئے۔ بہادر لوگ کبھی قاعدہ انصاف سے اِدہر اُدہر نہیں ہوا کرتے" ارجن اور بھیم نے سری کرشن کی رائے پسند کی اور انہوں نے شہر کی فصیل کا ایک چکر لگایا۔ ایک مقام پر ان کو ایک اونچی پہاڑی سی نظر آئی جو فصیل سے لگی ہوئی تھی یہ اُس پہاڑی پر چڑھے اور وہاں سے فصیل پر اُترے اور پھر شہر کے اندر کود گئے۔ لباس ان کا برہمنوں کا تھا۔ مگر چھتریوں کی مثل پھولوں کے کنٹھے گلے میں ڈال رکھے تھے اور جسم پر عطر ملا ہوا تھا۔ یہ سیدھے جراسندھ کے گھر پہونچے اور دربانوں سے کہا "ہم راجہ سے ملنا چاہتے ہیں۔

چونکہ اُسوقت کے سب راجہ فقیر اور برہمن کی عزت اور مہمان نوازی اپنا فرض سمجھتے تھے اس لئے جراسندھ برہمنوں کی آمد سنتے ہی دوڑا ہوا گھر کے دروازے کے باہر آگیا۔ اور ان عجیب برہمنوں کو دیکھ کر پہلے تو ذرا حیران ہوا۔ کہ ان کا لباس تو برہمنوں کا ہے۔ مگر پھولوں کے کنٹھے چھتریوں جیسے ہیں۔ مگر اس نے اپنی حیرت ظاہر نہ کی اور برہمنوں کے قدموں کی پوجا کرنے کے لئے جھکنا چاہا۔ تو کرشن جی بولے ہم تیری پوجا کو قبول نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ہم تیرے دشمن ہیں۔ اور دشمنی کے ارادے سے آئے ہیں اور اسی واسطے ہم اس شہر میں دروازے میں داخل ہوکر نہیں آئے بلکہ دشمنوں کے مانند فصیل کود کر یہاں پہونچے ہیں"

جراسندھ نے جب یہ تقریر سُنی تو بولا "میں نے تو تم کو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی پھر تمہاری دشمنی کا کیا سبب ہے۔ میں تو رات دن ایمان اور انصاف کے کام کرتا رہتا ہوں"

سری کرشن نے جواب دیا کہ "کیا یہی تیرا انصاف ہے کہ تو نے بہت سے راجاؤں کو بلا سبب مغلوب کر کے قید کر رکھا ہے؟ اور شریفوں سے وہ کام لیتا ہے جو جانوروں سے بھی نہیں لئے جاتے۔ تیری ظلم کاریوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور اس پر تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے۔ ہم ایمان اور انصاف ہی کی خاطر تجھ سے لڑنے آئے ہیں اور ایمان ہی کے لئے لڑتے رہنا ہماری زندگی کا فرض ہے۔ ہمیں خدا نے طاقت دی ہے کہ اپنے بازو کے بل پر اور اپنے ہتھیاروں کے ہنر سے دین و انصاف کی حفاظت کریں اور تجھ جیسے رخنہ انداز معدلت کو سزا دیں اے جراسندھ تجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم تینوں برہمن نہیں ہیں بلکہ کشتری (راجپوت) ہیں میرا نام کرشن ہے اور یہ دونوں میرے ساتھی پانڈو کے لڑکے ہیں۔ ایک کا نام ارجن ہے اور دوسرے کا نام بھیم ہے۔

یا تو تو ان تمام مظلوموں کو رہائی دیدے جو تیری قید میں دوزخ کی سی تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں۔ ورنہ ہم سے کشتی لڑ۔ یہ خیال نہ کیجیو کہ ہم یہاں اکیلے ہیں اور تیرے ساتھ بیشمار لشکر ہیں۔ کیونکہ ہم دین و انصاف کی خاطر لڑنے آئے ہیں۔ خدا کی چھپی ہوئی فوجیں ہمارے دل اور ارادے کے اندر موجود ہیں۔ جن کے بل پر ہمیں یقین ہے کہ تجھ کو ہم شکست دیں گے۔ اور تو ہمارے ہاتھ سے ضرور مارا جائیگا ہم دوبارہ کہتے ہیں۔ اور سمجھانے کا حق ادا کرتے ہیں کہ اپنی بدی سے باز آ۔ خدا کا خوف کر۔ اور ان قیدیوں کو چھوڑ دے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال۔

سری کرشن کی یہ تقریر سُنکر جراسندھ ہنسا اور بولا اے کرشن تو جانتا ہے کہ میں نے ان راجاؤں کو لڑائی میں شکست دیکر قید کیا ہے۔ پھر میں فقط تیری باتوں کی دھمکی سے ان قیدیوں کو کیسے آزاد کر سکتا ہوں۔ میں بہادر ہوں۔ بہادر باپ کا بیٹا ہوں۔ تجھ جیسا بودا

اور بھگوڑا نہیں ہوں جوان باتوں سے سہم جاؤں چاہے تو اپنی فوجوں کو بُلالے۔ اور جب تک تیری فوجیں آئیں میری مہمانی قبول کر۔ اور چاہے تو اکیلا یا تم تینوں ملکر مجھ اکیلے سے لڑلو میں کسی بات سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں"

سری کرشن نے جواب دیا فوجوں کے لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہم دوسروں کے خون بہانے چاہتے تو بڑے بڑے لشکر لا سکتے تھے۔ مگر ہم تو دین اور انصاف کے لئے آئے ہیں اور اکیلے ہی لڑنا چاہتے ہیں۔ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ ہم تین ہوں اور تو اکیلا ہو۔ ہم میں سے ایک آدمی کو اپنے مقابلہ کے لئے چُن لے وہی تجھ سے لڑیگا اور باقی دو کھڑے ہو کر سیر دیکھیں گے۔ اگر تو نے اپنے حریف کو مار لیا تو تو فتحیاب اور ہم مفتوح اور اگر تو بچھڑ گیا تو یہ سارا ملک ہمارا اور ہم اس کے مالک جو چاہیں کریں"

جراسندھ نے کہا مجھے یہ بات منظور ہے۔ تم تینوں میں سے کون مجھ سے کشتی لڑے گا۔ سری کرشن نے جواب دیا تو ہی ایک کو چھانٹ لے۔ یہ سُنکر جراسندھ نے تینوں آدمیوں کو دیکھا۔ اور کہا ارجن اور کرشن بہت لاغر اندام اور کمزور نظر آتے ہیں۔ یہ میری کُشتی کے لایق نہیں۔ البتہ بھیم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دیر سامنے ٹھیر جائے۔

قصہ مختصر بھیم اور جراسندھ کی کشتی قرار پا گئی اور جراسندھ کے تمام بھائی بیٹے اور امرا حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ اور برہمنوں نے قطار بنا کر جراسندھ کی فتحیابی کے منتر پڑھنے شروع کر دئے تو جراسندھ نے تاج اُتارا اور کشتی کا لباس پہنکر دنگل میں اُتر آیا۔ ادہر سے بھیم بھی آمادہ ہو کر سامنے گیا۔ اور ارجن اور سری کرشن تماشائیوں میں بیٹھ کر سیر دیکھنے لگے۔ کشتی شروع ہوئی اور صبح سے شام ہو گئی مگر کوئی حریف غالب و مغلوب نہ ہوا۔ شام کو دنگل موقوف کر کے دوسرے دن پھر کشتی شروع ہوئی۔ اسی طرح چودہ روز لگاتار کشتی ہوتی رہی اور نتیجہ نہ نکلا۔ چودھویں روز جراسندھ تھک گیا۔ اس کا سانس اکھڑا اور وہ تھکن سے لڑتے لڑتے بیٹھ گیا۔ جراسندھ کے بیٹھتے ہی بھیم نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو

کرشن جی نے بھیم کو للکارا کہ "خبردار تھکے ہوئے دشمن پر دست درازی جائز نہیں ہے" بھیم نے جواب دیا "جراسندھ اپنی شکست کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور لڑنے پر آمادہ ہے تو میں اُسے کیونکر چھوڑ سکتا ہوں" چنانچہ جراسندھ پھر کھڑا ہو گیا اور بھیم سے لپٹ کر کشتی لڑنے لگا۔ مگر اب کے بھیم نے جراسندھ کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ کمبخت کا کام تمام ہو گیا اور ایک ہی پٹخنے میں اس کی جان جہنم واصل ہوئی۔ جراسندھ کے مرتے ہی دربار کے امیروں اور بھائی بیٹوں نے ان تینوں کے آگے سر جھکا دئے اور ان کی فتح یابی قبول کر لی۔

کیا سچا زمانہ تھا کہ عہد اور بات کی خاطر کمزور اور بے سہارے دشمنوں کی فتح اُن لوگوں نے قبول کر لی جن میں اتنی طاقت تھی کہ ان تینوں کو کچل کر رکھ دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور جراسندھ کے معاہدے پر ثابت قدم رہے۔

جراسندھ مارا گیا تو سری کرشن نے بھیم اور ارجن کو رتھ میں سوار کیا۔ اور خود رتھبان بنے۔ اور رتھ لیکر فاتحانہ قلعہ میں داخل ہوئے۔ پہلے اُن سب راجہ مہاراجوں کو رہا کیا جو ظلم کی قید بھگت رہے تھے۔ اور اس کے بعد ایک جگہ اقامت اختیار کی۔ رہا شدہ قیدیوں نے نذریں دکھائیں اور احسان مندی کا اظہار کیا۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ "راجہ یدھشٹر" "راج سوئیگ" کرنا چاہتے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ اس میں شریک ہو۔ اور بخوشی یدھشٹر کے لقب شہنشاہی کے آگے سر جھکاؤ۔ سب نے اس کو قبول کیا اور "راج سوئیگ" میں حاضر ہونا منظور کیا۔ راجہ جراسندھ کا بیٹا سہدیو بھی نذر لیکر سری کرشن کے سامنے آیا تو سری کرشن کھڑے ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے اس کے ماتھے پر ٹیکا لگا کر باپ کے تخت پر بٹھایا اور ملک کا تاج سپرد کر کے خود اندرپرست کو روانہ ہو گئے۔

روشنی کا بھونچال } آخر وہ وقت آگیا جس میں سری کرشن کے انوار باطن کو اپنے جلوے دکھانے منظور تھے۔ اور جس کے لئے خدا نے ان کو ہندوستان میں مقرر فرمایا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے تمام حکمراں راجہ اور کل محکوم عوام طرح طرح کے

گناہوں اور جہالتوں میں مبتلا تھے۔ ان میں خوبیاں تھوڑی تھیں اور خرابیاں زیادہ۔ ان کا غرور۔ ان کا گھمنڈ۔ ان کی دل آزاریاں۔ سفاکیاں اور مکاریاں حد سے بڑھ گئیں تھیں۔ اور خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ ان کی سرکشی کو خود ان ہی کے ہاتھوں پامال کرے۔ اس کو منظور تھا کہ ان ہی تلواروں سے جو مظلوموں کے گلوں پر ہندوستان کے جفا کار ظالم پھیرتے تھے خود ان ہی کے ہاتھوں ذبح کرائے اور دکھائے کہ خدا بیرحمی حق تلفی اور غرور و تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب کوئی قوم حد سے بڑھنا چاہتی ہے تو اس پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور عذاب کی ایسی ہی صورتیں ہوا کرتی ہیں جیسی اس وقت ہندوستان کو پیش آئیں۔

سری کرشن کی ذات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظالموں کی بربادی اور تباہی کے لئے مامور ہوئی تھی۔ اور ساری زندگی انہوں نے خدا کی مقرر کردہ خدمت انجام دی۔ شروع میں کنس ان کے ہاتھ سے غارت ہوا پھر جراسندھ کی ہستی پامال ہوئی۔ اس کے بعد دریودھن کی نوبت آئی جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا پاپی اور گنہگار آدمی تھا۔ اور جس کے اثر سے بے شمار انسانوں میں گنہگاری کا شوق ترقی کر رہا تھا۔ سری کرشن کے جلوۂ حرب کو متھرا میں دیکھ چکے جراسندھ کے مقتل میں سیر کر لی۔ اَب آؤ ذرا دریودھن کا معرکہ بھی دیکھو۔ اور اُس عظیم الشان لڑائی کا حال پڑھو جس کا نام "مہابھارت" ہے۔ اور جس کی شہرت سری کرشن کے قدموں سے لگی ہوئی قیامت تک برقرار رہے گی۔

میں نے اس بیتی کا عنوان "نور کا تلاطم" "یا روشنی کا بھونچال" اسی واسطے رکھا ہے کہ سری کرشن جی کی زندگی کا یہ حصہ عجیب پُر اسرار اور تلاطم مخفی کا زمانہ تھا۔ اسی بیتی میں سری کرشن کے تمام بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ اسی بیتی میں اس لکچر کے اس اپدیش کے اس تقریر کے کرنے کا موقع آیا تھا۔ جس کے مجموعہ کا نام "گیتا" ہے اور جو آج ہندوستان کی وہ مشہور فلسفیانہ کتاب ہے جس کے سامنے یوروپ اور امریکہ نے بھی باوجود فروغ

علوم جہانداری کے سر جُھکا دیا ہے۔

اسی بیتی میں سری کرشن کے انجام زندگی کا بیان ہے۔ اور ذکر وفات ہے اور اسی بیتی پر اس کتاب کا یہ پہلا حصہ ختم ہو جائے گا اور دوسرے حصہ کی اللہ تعالےٰ سے خواستگاری ہوگی کہ وہ مجھے ہمت اور توفیق دے کہ میں "گیتا" کا خلاصہ اور اس پر تنقید لکھ سکوں اور سری کرشن کی زندگی سے وہ نتائج نکال کر دکھاؤں جو ہندوستان والوں کو خصوصاً مسلمانوں کو مفید ہوں۔ اور جس سے ان کی شاہراہ عمل میں ایک کشادہ راستہ کا اضافہ ہو جائے۔ اور ہندوستانی اقوام آپس میں محبت سے اوقات بسر کرنا سیکھیں جو سلف گورنمنٹ حاصل ہونے کی ایک ضروری شرط ہے۔

جھگڑے کا دروازہ سری کرشن ارجن اور بھیم جراسندھ کو قتل کر کے اندرپرست واپس آئے تو تاجدار یدہشٹر اور تمام اراکین دربار کو اس فتحیابی سے خوشی ہوئی اور فاتحین کا بہت دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ جب فتح کی خوشیاں ہو چکیں تو سری کرشن نے فرمایا "اے یدہشٹر اب "راج سویگ" کا وقت آگیا۔ تو تمام ہندوستان کے راجاؤں کو بلا وے بھیج اور اس عظیم الشان جلسہ کی تیاریاں شروع کر دے"۔ یدہشٹر نے حسب حکم سری کرشن "راج سویگ" کا سامان کرنا شروع کیا اور جس شان کا یہ جلسہ ہونیوالا تھا اسی اہتمام سے نہایت کثیر اور قیمتی اشیا مہیا کی گئیں جو نمود و نمایش اور مہمانوں کی خاطرداری کے واسطے لازمی اور ضروری تھیں۔ ملک ملک کے راجاؤں کو ایلچی بھیجے گئے اور "اندرپرست کی آرائش ہونے لگی۔

مقررہ وقت پر یدہشٹر کے چچا دہرت راشٹر بھیشم۔ وِدرُ اور تمام بھائی بند دروُن دریودھن کرن وغیرہ آگئے۔ باہر کے مہمانوں میں ہندوستان کا کوئی راجہ باقی نہ رہا دراوڑ اور سنگھالے کے راجہ کشمیر کے راجہ بنگالے کے راجہ۔ مالوے اور سندھ کے راجہ۔ سب ہی اس جلسہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے۔ اور کوئی ممتاز

وذی حیثیت حکمراں ہندوستان کا باقی نہ رہا۔ جو یدہشٹر کے "راج سویگ" میں شریک ہوا ہو۔

جس وقت تمام دربار آراستہ ہو چکا دینی سردار اور دنیاوی سردار اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تو بھیشم پتامانے یہ تقریر کی۔

"اے یدہشٹر سب سامان مکمل ہو چکا اب "یگ" کی رسمیں شروع کرنی چاہئیں اور وہ یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو اس شخص کے سامنے آرگھ پیش کر جو اس تمام جلسہ میں سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہو (ارگھ چند اشیا کے مجموعہ کا نام تھا۔ جنہیں برادہ صندل پھول اور سبزی وغیرہ چیزیں ہوتی تہیں۔ جس کو بطور نذر کے پیش کیا جاتا تھا) اُس کے بعد "ہون" کرنے والے پنڈتوں کے سامنے۔ پھر سہ یوں کے آگے پھر تارک الدنیا برہمنوں کے آگے۔ اس کے بعد دوستوں کے سامنے اور راجاؤں کے سامنے یدہشٹر نے پوچھا کہ اے دادا تمہیں بتاؤ کہ اس جلسہ میں کون ایسا شخص ہے جس کو تمام دربار کے حاضرین پر فوقیت دی جائے۔ اور "ارگھ" پہلے میں اُس کے سامنے پیش کروں۔

بھیشم پتامانے کہا سری کرشن کے سوا کوئی شخص سب سے بڑے درجہ والا یہاں موجود نہیں ہے۔ تو ان ہی کے آگے پہلے "ارگھ پیش کر" یہ فیصلہ سنکر یدہشٹر کھڑا ہو گیا اور تمام دربار نے آوازیں دیں بہت خوب بہت اچھا۔ گویا ہر شخص نے بھیشم پتاما کی تائید کی۔ اور سری کرشن کو اس برتر عزت کے لئے تسلیم کیا۔ مگر سری کرشن کا پھوپی زاد بھائی راجہ ششوپال والئے چھیدی جو راجہ جراسندھ کا سپہ سالار تھا۔ اور سری کرشن سے جس کی بہت سی لڑائیاں ہو چکی تہیں اور جس کی منگیتر رانی رُکمنی کو سری کرشن چھین لائے تھے بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بھیشم و کرشن کو بُرا بھلا کہنے لگا۔

ششوپال نے کہا "مجھے بھیشم کی رائے سے اختلاف ہے۔ کرشن ہرگز اس درجہ اور رتبہ کا نہیں ہے۔ جیسا کہ بھیشم نے اس کو سمجھا اور کہا۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو خود کرشن کا باپ واسدیو یہاں موجود ہے۔ راجہ دہرت راشٹر راجہ دروپد

بھیشم پتاما جیسے بڑی عمر کے لوگ حاضر ہیں اگر علم وفن کی حیثیت دیکھنی ہے تو درون اچاریا۔ کرپا۔ اشوتھاما اور بہت بڑے بڑے علمار موجود ہیں۔ اگر جنگجو اور بڑے راجاؤں کو دیکھنا ہے تو کرشن سے کہیں زیادہ بڑے بڑے راجہ بہادر جنگجو یہاں موجود ہیں۔ کرشن نہ کوئی بڑا راجہ ہے نہ اُس کی عمر بڑی ہے نہ وہ کوئی قوت والا بہادر شخص ہے۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا مکار اور فریبی ہے جس نے اپنے ماموں کنس کو مار ڈالا۔ جس نے راجہ جراسندھ کو دھوکہ سے قتل کر دیا۔ پس بھیشم کی یہ تجویز کہ کرشن کو تمام دربار پر فوقیت دی جائے دراصل سب حاضرین کی توہین ہے۔ اور بھیشم نے دانستہ اس کا ارتکاب کیا ہے۔ اور یدہشتر بھی قابل الزام ہے کہ اس کو دین دار اور حق پرست ہونے کا بڑا دعویٰ ہے۔ مگر بھیشم اور کرشن کی خوشامد سے اُس نے بھی اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور ارگھ دینے پر تیار ہو گیا۔ میں کہوں گا کہ خود کرشن اس وقت سب سے بڑا مجرم ہے جس نے یہ سب باتیں سنیں۔ یدہشتر کی تیاری کو دیکھا مگر یہ نہ کہا کہ "نہیں میں اس لایق نہیں ہوں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرشن کو نمود و نمائش کی جھوٹی عزت کا بہت شوق ہے۔ اور وہ اس کا بھوکا ہے"۔

ششوپال یہ کہہ چکا تو بھیشم پتامانے کھڑے ہو کر جواب دیا تجھ کو اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تو سری کرشن کا آزاد کردہ غلام ہے۔ کیا تجھ کو یاد نہیں کل کی بات ہے کہ سری کرشن نے تیرے آقا راجہ جراسندھ کو قتل کر ڈالا اور سارے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر انہوں نے سب پر تاج بخشی کی اور تمہاری جانیں تم کو دیدیں کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ چھتری راجاؤں کے رواج کے موافق ایسا فاتح شخص مفتوحوں کا گرو ہو جاتا ہے۔ کرشن صرف خاندانی چھتری زادہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسا چھتری راجہ ہے جس نے سینکڑوں چھتریوں کو کنس کے ظلم سے نجات دلوائی۔ اور ہزاروں لاکھوں چھتریوں کو جراسندھ کے ظلم سے بچایا۔ وہ ملک داری اور لڑائی کے فنون میں ہم سب سے زیادہ طاق ہے۔ وہ ہم سب سے زیادہ ویدوں کا عالم ہے۔ اس میں خدا کی اتنی قوتیں اور صفتیں جمع ہو گئی ہیں

جتنی ہم میں سے کسی ایک میں بھی نہیں ہیں۔ اسواسطے میں دوبارہ زور دیتا ہوں کہ سری کرشن ہی اس اعلیٰ اور ارفع عزت کے مستحق ہیں۔"

ششو پال یہ جواب سُنکر کھڑا ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لیکر دربار سے باہر چلا گیا مگر یدہشتر تخت سے اُترا اور باہر جاکر ششو پال کو بمشکل پھر منا کر لایا کیونکہ ششو پال یدہشتر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ یدہشتر کی ماں کا نام کنتی تھا اور ششو پال کی ماں کا نام سپرہیا تھا۔ اور یہ دونوں واسدیو کی بہنیں تھیں۔ جو سری کرشن کے والد تھے۔

ششو پال یدہشتر کے اصرار سے پھر دربار میں واپس آگیا اور دربار کی رسم شروع ہوئی۔ یدہشتر اُٹھا اور اس نے بھیشم کے کہنے کے موافق سب سے پہلے سری کرشن کے آگے "ارگھ" کی نذر پیش کی۔ نذر پیش ہوتے ہی پھر ششو پال نے بھیشم اور سری کرشن کو بے نقط گالیاں دینی شروع کیں۔ جس سے بھیشم اور سری کرشن کے حمایتیوں کو بہت غصہ آیا اور دربار میں تقریر بازی شروع ہو گئی۔ ایک طرف سری کرشن کے فدائی ان کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ششو پال ان کی مذمت کرتا تھا۔ ششو پال نے بیشمار عیب سری کرشن کے نمک مرچ لگا کر مجمع کے سامنے گنوائے مگر ان کی بدچلنی کی بابت ایک لفظ بھی اس نے نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر سری کرشن ابتدا میں گوپیوں کے ساتھ حرام کاری کرتے ہوتے تو آج ششو پال ان کے اظہار سے ہرگز نہ چوکتا۔ کیونکہ اس کو یہ سب سے بڑا جرم والزام ہاتھ آجاتا جس کا جواب سری کرشن اور ان کے حمایتیوں کے پاس کچھ نہ ہوتا۔

جب ششو پال کی گستاخی حد سے بڑھی تو ارجن تلوار کھینچکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا "اگر اب کسی شخص نے سری کرشن کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی کا زبان سے کہا تو میں اس کا سر کچل ڈالوں گا۔"

سری کرشن نے ارجن کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ تم خاموش رہو۔ جس وقت سے

جھگڑا شروع ہوا تھا سری کرشن چپکے بیٹھے مسکرا رہے تھے نہ انہوں نے کسی بات میں دخل دیا نہ کچھ بولے۔ لیکن جب ارجن کھڑا ہونے لگا اور ششوپال نے کہا کہ "خود کرشن کیوں نہیں کھڑا ہوتا۔ اگر وہ بہادر ہے اور جیسے کہ اُس کے خوشامدی اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں واقعی وہ دلیر اور جری ہے تو ذرا سامنے آئے اور دو ہاتھ دکھلائے میں بھی تو دیکھوں اُس کو جنگ کے کیا کیا ہنر یاد ہیں۔ یا تم نے یونہی خواہ مخواہ اسکو آسمان پر چڑھا رکھا ہے"

سری کرشن نے یہ جملہ سُنا تو پھرتی سے کھڑے ہو گئے تلوار میان سے کھینچ لی اور فرمایا "بس بس ہو چکا تمہارا آپے سے باہر ہونا دیکھ لیا۔ اب تم تلوار کا فیصلہ چاہتے ہو تو لو میں موجود ہوں۔ دل کا ارمان نکالو۔ اور اپنی کرنی میں کوئی کسر نہ رکھو۔ خود معلوم ہو جائیگا کہ تم نے جو کچھ ابتک کہا ہے وہ حق ہے یا ناحق"۔ ششوپال بھی آمادہ ہو کر آگے بڑھا اور وہیں دربار میں شمشیر زنی کا دنگل آراستہ ہو گیا۔ ہر فریق کے حمایتی صفیں باندھ کر اس تماشہ دیکھنے کو کھڑے ہو گئے۔ پہلا وار ششوپال نے کیا۔ اور سری کرشن نے نہایت بے پرواہی سے ڈھال پر اس کو روکا۔ اُن کے چہرے پر مطلق گھبراہٹ نہ تھی اور وہ اپنے خونخوار حریف کے سامنے ایسے کھڑے مسکرا رہے تھے گویا کچھ بات ہی نہیں ہے۔ ششوپال جب کئی وار کر چکا تو سری کرشن نے فرمایا "لے اب ہوشیار ہو جا۔ وقت آن پہونچا۔ بچاؤ کی تدبیر کر۔ کہ میری تلوار بلند ہوتی ہے۔" ششوپال نے نہایت جوانمردی سے حریف کے حملہ کی روک تھام کرنی چاہی مگر سری کرشن کے پہلے ہی طمانچہ تیغ نے اس کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اور جو مورت ایک ساعت پہلے دربار میں کھڑی گونج رہی تھی اور فحش گالیاں بک رہی تھی دو پارہ ہو کر فرش خاک پر لوٹنے لگی اور پھر پھڑک پھڑک کر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ اس وقت تمام دربار ایک مُنہ ہو کر پکار رہا تھا "بولو سری کرشن چندر جی کی جے" "بولو سری کرشن چندر جی کی جے"

جب اس معرکہ کا فیصلہ ہو چکا تو راجہ یدہشتر سری کرشن اور تمام درباریوں نے ملکر بہت عزت واحترام سے ششو پال کی لاش اٹھائی اور دل کو بہلا کر جلا دیا۔ اور پھر اس کے بیٹے کو "راج تلک" لگا کر جانشین بنا دیا۔ اور اس طرح "راج سویگ" کا اختتام نہایت خیر و خوبی سے ہوا۔ مگر جھگڑے کا در کھل گیا۔ ایک طرف تو ششو پال کے طرف دار دلمیں بل بھرتے ہوئے گئے اور دوسری جانب دریودہن اپنے چچازاد بھائی کی اتنی بڑی عزت دیکھ کر حسد کے مارے کوئلوں پر لوٹتا رہا۔ اور دل میں سوچا کہ کسی طرح پسران پانڈو کی عزت کو خاک میں ملانا چاہیئے۔

جوئے کی بازی دربار کے بعد سری کرشن دوارکا کو چلے گئے اور تمام مہمان اپنے اپنے ملکوں کو سدہار گئے مگر دریودہن وغیرہ کچھ دن یدہشتر کے پاس ٹھیرے رہے اور وہیں انہوں نے چال بازی کی ایک بساط بچھائی جس میں یدہشتر اور اس کے بھائیوں کی تمام حکمرانی کا ستیاناس کر دیا۔

اس بیتی کی تمہید میں پڑھا ہو گا کہ اس وقت تمام ہندو راجاؤں میں عالمگیر خرابیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جہالت۔ حسد۔ تکبر کی مثال تو ابھی دیکھ لی کہ ایک بھائی ششو پال اپنے دوسرے بھائی کرشن کی عزت کو نہ دیکھ سکا۔ اور مفت میں جان گنوا بیٹھا۔ اب دوسری مثال سُنو۔ ان راجاؤں کی جاہلانہ وضع داریوں کا حال معلوم کرو۔ ان کے ہاں آن تھی کہ اگر کوئی شخص راجہ سے جوا کھیلنے کی درخواست کرتا تو راجہ کی عزت کے شایان شان یہ تھا کہ وہ انکار نہ کرتا اور فوراً جوا کھیلنے بیٹھ جاتا۔ چنانچہ دریودہن نے یدہشتر سے جوئے کی فرمایش کی اور یدہشتر نے اس کو رد نہ کیا۔ اور جوا کھیلنے بیٹھ گیا۔ پہلی بازی ہارا تو ملک کی تمام نقدی دریودہن کی ہو گئی اور دوسری بازی ہارا تو سب ساز و سامان ملک سمیت دریودہن کو دے بیٹھا۔ تیسری بازی میں اپنی اور اپنے چاروں بھائیوں کی جان بھی ہار گیا۔ چوتھی بازی میں ارجن کی پیاری بیوی دروپدی کو داؤں میں لگایا اور اس کو بھی ہار گیا۔ دریودہن اور اس کے ساتھی باغ باغ ہو گئے۔ اور یدہشتر اور اس کے بھائیوں پر

قیامت ٹوٹ پڑی۔ مگر کیا ہو سکتا تھا اپنے کئے کا علاج محال تھا۔ دریودھن نے ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ اور سر دربار مجمع عام میں رانی دروپدی کی بے آبروئی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یدہشتر اور اس کے بھائی یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے مگر بات اور سخن کی خاطر کچھ نہ کر سکتے تھے دروپدی نے فریادیں کیں وہ چیخی۔ اپنے حمایتوں کو پکارا اور کہتی رہی کہ مجمع عام میں میری چادر کھینچی جاتی ہے۔ کوئی میری مدد نہیں کرتا۔ مگر اس کے فریاد کرنے سے نہ دریودھن کو رحم آیا نہ اور کسی کو۔ یدہشتر وغیرہ چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن ہار چکے تھے۔ بات دوسرے کو دے چکے تھے ان کی راجپوتی آن بان یہ گوارہ نہ کرتی تھی کہ ہارنے کے بعد پھر اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں۔ اور دروپدی کو اپنا سمجھ کر اس کو مظالم دریودھن سے بچائیں۔

آخر دریودھن کے باپ دہرت راشٹر نے یہ فیصلہ کیا کہ پسران پانڈو اس جا نہار بازی کے عیوض میں (۱۲) برس جلاوطن رہیں۔ اور تیرہویں سال ایسا بھیس بدل کر نوکری کریں کہ دریودھن اور اس کے ملازم ان پانچوں کو پہچان نہ سکیں۔ اگر وہ ایسا کر سکے تو (۱۳) سال کے بعد ان سب کا ملک دولت واپس دیدیا جائیگا۔ چنانچہ یدہشتر۔ ارجن۔ بھیم نکل۔ سہدیو۔ دروپدی اس فیصلہ کے بموجب جلاوطن ہوئے۔ اور جنگلوں جنگلوں پھرنے لگے۔ اس آوارہ گردی کے زمانہ میں پسران پانڈو کے سب دوست آشنا راجہ مہاراجہ اُن سے ملتے تھے۔ اور اُن کی مصیبت پر کُڑہتے تھے۔ سری کرشن بھی دوارکا سے آئے اور ایک جنگل میں اُن سے ملاقات کی۔ اور جوئے کے خلاف ایک زبردست تقریر کر کے جوئے کی خرابیاں بیان کیں دروپدی نے سری کرشن کو دیکھا تو وہ بہت روئی اور سارا قصہ بیان کر کے بولی۔ کہ "مجھ کو دریودھن کے دربار میں چادر کھینچکر ذلیل کیا گیا۔ اور کسی نے میری مدد نہ کی" سری کرشن۔ نے فرمایا۔ تو گھبرا مت میں اس زیادتی کا پورا بدلہ لونگا اور تیرا راج پاٹ واپس دلاؤنگا۔ اے دروپدی آسمان پھٹ سکتا ہے۔ زمین ٹکڑے ہو سکتی ہے ہمالیہ پہاڑ کا پاش پاش ہو جانا ممکن ہے۔ سمندر سوکھ جائے تو تعجب نہیں۔ مگر میرا

قول جھوٹا نہیں ہوگا۔ میں اقرار کرکے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اور اپنا وعدہ پورا کرکے رہوں گا۔"

سری کرشن کے ہمراہ ان کے بھائی بلرام بھی تھے انہوں نے کہا کہ یدہشٹر اور ارجن وغیرہ تو اپنے عہد کے سبب جب تک جلاوطنی کی مدت پوری نہ ہو کچھ نہیں کریں گے لیکن ہمیں چاہیئے کہ دریودہن پر حملہ آور ہوں۔ اور پسران پانڈو کا ملک اُس سے چھین کر ارجن کے بیٹے ابھے مینو کو دیدیں (ابھے مینو سری کرشن کی بہن سوبھدرا کے پیٹ سے تھا۔

سری کرشن نے جواب دیا "یہ ٹھیک ہے ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بات انصاف اور قاعدہ کے خلاف ہوگی۔ یدہشٹر کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ دین و انصاف برباد کرکے دنیا کی تاجداری حاصل کرے"

یدہشٹر بولا ہاں مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ میں دین اور انصاف کے سامنے حکومت کی کچھ اصل نہیں سمجھتا۔

یدہشٹر کا عہد پورا ہوا (تیرہ برس گزر گئے یدہشٹر اور ان کے بھائیوں نے اپنا عہد پورا کردیا۔ ۱۲ برس جلاوطنی میں کاٹے اور ایک سال نوکری میں۔ نوکری بھی ایسی کی کہ کسی شخص نے ان کو نہ پہچانا کہ یہ راجہ پانڈو کے شہزادے ہیں۔

دہرت راشٹر اور دریودہن کو اس کی خبر پہونچی کہ پسران پانڈو نے اپنا عہد پورا کرلیا تو دریودہن نے یہ بہانا نکالا کہ تیرہویں سال ملازمت کی حالت میں میں نے ان کو پہچان لیا۔ اسواسطے ان کا عہد پورا نہیں ہوا۔ پہچاننے کا کوئی ثبوت کوئی دلیل تو نہ دیسکا یونہی خواہ مخواہ ایک بات بنادی۔ اور پسران پانڈو نے سمجھا کہ دریودہن دراصل ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سب اس کے مکارانہ بہانے ہیں اس واسطے وہ اپنے خسر راجہ دروپد کے پاس گئے اور ان سے سارا حال بیان کیا۔ راجہ دروپد نے سری کرشن بلرام اور اپنے تمام دوست راجاؤں کو جمع کرکے مشورہ کی ایک کونسل مقرر کی جسمیں سری کرشن نے سب سے پہلے یہ تقریر کی کہ دہرت راشٹر اور دریودہن کو پیام بھیجا جائے

کہ وہ آدھا ملک دیکر پسران پانڈو سے صلح کرلیں" بلرام نے اس تقریر کی تائید کی مگر "سیتکی" نامی ایک دلیر نوجوان "راج کنور" نے کھڑے ہو کر کہا "یہ بزدلی ہے۔ یہ نامردی ہے۔ صلح کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا پانڈو کے لڑکے دریودہن سے بھیک مانگیں گے؟ کیا اُس اندھے بے انصاف دہرت راشٹر کے آگے ذلت سے ہاتھ پھیلائیں گے؟ کہ آدھا ملک خدا واسطے ہم کو دیدے۔ نہیں نہیں! ہم ہتھیاروں کے زور سے پسران پانڈو کا حق حریف کے قبضہ سے نکال لیں گے ہم اپنے بازو کی طاقت سے دروپدی کی بے عزتی کا عوض لینگے

یدہشٹر اور ان کے بھائیوں نے دین وانصاف کا حق ادا کردیا۔ جوئے میں اگر وہ ملک و دولت ہار گیا تو یہ اس کا قصور نہ تھا۔ کیونکہ ہر ایک چھتری نادہ کو جب جوئے کی بازی کے لئے بلایا جائے تو اس کا دہرم ہے کہ مُنہ نہ موڑے۔ اور بازی کھیلے۔ یدہشٹر نے اُسی خاندانی رسم کے موافق بازی سے انکار نہ کیا۔ اور دریودہن نے بے ایمان دغاباز جوا کھیلنے والے یدہشٹر کے سامنے بٹھا دئے۔ یدہشٹر نے جوئے میں بھی ایمان داری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور اس کے سامنے والے فریب اور دغا سے جیت جیت گئے۔ اس پر بھی یدہشٹر نے دہرت راشٹر کا کہنا مانا۔ اور (۱۳) برس تک گھر سے بے گھر مارے مارے پھرے۔ لیکن اب وقت آیا تھا کہ دریودہن اور اس کا اندھا باپ پسران پانڈو کا حق واپس دیتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حیلے حوالے کرتا ہے۔ ٹالنا چاہتا ہے۔ اور اس کی نیت بد معلوم ہوتی ہے بس پیالہ بھر چکا۔ اٹھو کمر باندھ لو۔ تلواروں کو کھینچ لو۔ برچھیوں کو اٹھالو۔ اور میدان میں جاکر دریودہن کا کچلا کچلا کرکے رکھدو۔

"سیتکی" کی اس پرجوش تقریر سے کونسل پر سناٹا طاری ہوگیا اور ہر شخص کی زبان پر "لڑائی" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ راجہ دروپد نے بھی "سیتکی" کی تائید کی۔ اور جنگ کی تجویز باتفاق عام پاس ہوگئی۔ کونسل کا جلسہ برخاست کرنے سے پہلے راجہ دروپد نے کہا کہ میں حجت تمام کرنے کو پہلے دریودہن اور دہرت راشٹر کے پاس ایلچی بھیجکر فہمائش

کروں گا اگر وہ مان گئے تو فبہا ورنہ پھر میدان میں ان کو دیکھ لیا جائیگا۔

جب یہ تجویز طے ہو گئی تو سری کرشن اور بلرام دوارکا چلے گئے۔

دریودھن کو جب اس خفیہ جلسہ کی اطلاع پہونچی اور جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی نہایت عظیم الشان جنگ کا سامان کرنا شروع کیا۔

سرہانے پائینتی کے فریادی } ادہر تو راجہ دروپد نہایت اولوالعزمی سے اسباب جنگ کی فراہمی میں مصروف تھا اور اُدہر اس نے ارجن کو سری کرشن کے پاس بھیجا کہ وہ اس کی مدد کرنے کے واسطے تشریف لائیں۔ مگر اتفاق کی بات ارجن روانہ ہوا تو اُدہر دریودھن نے بھی یہ سوچا کہ سری کرشن ایک خدا پرست آدمی ہیں۔ اُن کو کسی فریق کی رعایت منظور نہیں ہے جو ان سے درخواست کرے گا وہ اسی کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس واسطے وہ بھی دوارکا روانہ ہوا کہ سری کرشن کو اپنی حمایت کے لئے آمادہ کرلے۔ دریودھن ارجن سے پہلے دوارکا پہونچ گیا۔ اور سیدھا سری کرشن کے حجرے میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا کہ سری کرشن سوتے ہیں اور ان کے سرہانے اور پائینتی ایک ایک چوکی خالی رکھی ہے پہلے اس کے جی میں آیا کہ میں پائینتی بیٹھ جاؤں مگر غرور و تکبر نے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ سری کرشن کے پیروں میں بیٹھتا اس لئے سرہانے کی چوکی پر جا کر بیٹھ گیا ابھی سری کرشن بیدار نہ ہوئے تھے کہ ارجن بھی آن پہونچا اور وہ نہایت عاجزی اور انکساری سے اپنے گرو کے پائینتی سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سری کرشن کی آنکھ کھلی اور سب سے پہلے ان کی نظر ارجن پر پڑی کیونکہ وہ پائینتی بیٹھا تھا۔ ارجن نے کہا فریاد۔ سرہانے سے دریودھن بولا میری بھی فریاد۔ میں ارجن سے پہلے آیا ہوں سری کرشن نے فرمایا "بیشک حق مقدم دریودھن کا ہے کہ اُس کی امداد کی جائے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے۔ مگر نگاہ پہلے ارجن پر پڑی۔ اس واسطے ارجن کی مدد مقدم ہے۔ اس کے علاوہ دریودھن تکبر اور غرور کا خطاوار ہے۔ وہ میری پائینتی گھمنڈ کے سبب نہ بیٹھا۔ اور خدا گھمنڈ کرنے والے کو

ہمیشہ نیچا دکھاتا ہے۔

مگر اے دریودھن اور اے ارجن۔ میرے نزدیک تم دونوں یکساں ہو۔ اور میں دونوں کی مدد پر آمادہ ہوں۔ ایک طرف میرے ہتھیار اور میری فوجیں ہیں اور دوسری جانب میں خود اکیلا ہوں۔ اس فیصلہ کا حق ارجن کو دیتا ہوں۔ اگر وہ میری فوجوں کو اور ہتھیاروں کو لینا چاہتا ہے تو لے لے میں بغیر ہتھیار کے دریودھن کے ساتھ رہوں گا۔ اور اگر ارجن فقط مجھ کو چاہتا ہے تو میری سپاہ دریودھن لیجائے میں اس لڑائی میں ہتھیار نہیں چلاؤنگا۔ اور چپ چاپ سیر دیکھوں گا۔"

ارجن نے کہا مجھے آپ کی فوجیں درکار نہیں ہیں۔ اے سرتاج گروہ میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں۔" دریودھن ارجن کے فیصلہ سے بہت خوش ہوا۔ اور دل میں خیال کیا کہ ارجن بڑا بے وقوف ہے۔ ایک آدمی کو لے لیا۔ اور لشکروں کو چھوڑ دیا۔ اور سری کرشن کا بہت بہت شکریہ ادا کرکے اور فوجیں لیکر اپنے ملک کو روانہ ہوگیا۔ جب دریودھن چلا گیا تو سری کرشن نے ارجن سے پوچھا کہ "تو نے مجھ نہتے کو کیوں پسند کیا۔ میری فوجیں کیوں نہ مانگیں۔ ارجن نے جواب دیا ایک عقلمند آدمی دو لاکھ بیوقوفوں پر بھاری ہے" آپ کی فوجوں کو تو میں اکیلا شکست دے سکتا ہوں مجھے ان کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے تو آپ درکار تھے کہ آپ کی زبان میں اور آپ کی ذات میں بیشمار افواج و ہتھیار موجود ہیں۔"

سری کرشن مسکرائے اور ارجن کی دانشمندی کی داد دی۔ اور پھر فریقین کی امداد کے لئے روانگی کا سامان ہونے لگا۔ مگر سری کرشن کے بھائی بلرام نے کسی فریق کا ساتھ دینا منظور نہ کیا۔ غرض سری کرشن کی فوج دریودھن کیساتھ گئی۔ اور سری کرشن ارجن کے ہمراہ راجہ دروپد کے ہاں چلے گئے۔

دریودھن کا سفیر کہ دریودھن بڑا ہوشیار و چالاک تھا۔ اس نے دیکھا۔ یدھشٹر نرم دل اور نیک مزاج آدمی ہے۔ خدا اور آخرت کے خوف سے جلدی متاثر ہو جاتا ہے اُس کے

پاس ایک سفیر کو بھیجنا چاہیے جو لڑائی اور فتنہ فساد کی برائیاں بیان کر کے اس کے دل کو لڑنے سے بیزار کر دے۔ یدھشٹر کا دل جنگ سے ہٹ گیا تو دشمن کی تیاریوں میں رخنہ پڑ جائیگا اور میں آسانی سے اس کو شکست دے سکوں گا۔

اس کے علاوہ دیکھنے والے اور سننے والے مجھ کو حق پر تصور کرنے لگیں گے۔ اور کہیں گے دریودھن کی نیک دلی میں کچھ شبہ نہیں۔ اس نے تو بہت چاہا کہ بھائیوں اور رشتہ داروں میں خانہ جنگی کی تلوار تباہی نہ ڈالے۔ چنانچہ صلح کی سفارت تک اس نے بھیجی مگر جب پسران پانڈو نہ مانے تو دریودھن مجبور ہو گیا اور لاچار ہو کر اس نے تلوار میان سے کھینچی۔

دریودھن نے سفارت کا منصوبہ سوچا تو ایسے شخص کو سفیر بنایا جو ترک دنیا کا وعظ خوب کہہ سکتا تھا۔ لیکن سیاسی اتار چڑھاؤ اور بنائے فساد کی باریکیاں سلجھانے کا اس کو کچھ سلیقہ نہ تھا اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ دریودھن کی نیت مکارانہ تھی۔ اور وہ اس بہانہ سے حریف کے جنگی ارادوں کو کمزور اور ڈھیلا کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ غنیم کا مشیر کار بھی ہندوستان کا سب سے بڑا مدبر ہے۔ اور اس کے سامنے کوئی جنگی فریب چل نہیں سکتا۔

دریودھن کے سفیر کا نام سنجے تھا۔ جب سنجے راجہ دروپد کے دربار میں آیا تو اس کی خوب خاطر و مدارات کی گئی اور پیغام سفارت سننے کو ایک جلسہ منعقد ہوا۔

سنجے نے اپنے ترکش کے تیر زبان سے نکالے۔ یعنی ترک دنیا اور عالم کی فنائیت کا لکچر دینا شروع کیا جس کے سوا اُسے کچھ نہ آتا تھا۔ اور اپنی دانست میں اُس نے ایسی تقریر کی کہ پتھر کا دل بھی موم ہو جائے۔ خواہ کیسا ہی حریص دنیا ہو سنجے کا بیان اس قدر مؤثر تھا کہ اس کو سنکر دل دنیا کی خواہش سے ہٹ جانا یقینی تھا۔

سنجے نے یاد دلایا کہ "دریودھن تمہارا بھائی ہے۔ اس کے لشکری افسر بھیشم پتامہ

درون۔ تمہارے بزرگ۔ اور استاد ہیں۔ اس کی فوج میں سب تمہارے بھائی بند نظر آتے ہیں۔ حکومت دنیا کی خاطر۔ چند روزہ عزت وجاہ کی طمع میں ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤ یہ دنیا آنی جانی ہے۔ ہمیشہ کوئی اس جہاں میں نہیں رہا۔ چاروں کے جینے کی خاطر بھائیوں کے خون کا بہانا بڑا گناہ ہے اور پاپ ہے۔ یہ خیال چھوڑ دو اور لڑائی سے باز آؤ۔

سنجے کا جادو چل گیا تھا اگر سری کرشن اس کا اُتار نہ کرتے جلسہ کے حاضرین پر سنجے کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص کا ارادہ بدلنے لگا۔ اور دنیا کی حکومت وعزت خواب و خیال اور ہیچ نظر آنے لگی۔ مگر سری کرشن نے کھڑے ہو کر چند جملوں میں سنجے کا تانا بانا توڑ کر رکھ دیا۔ اور دربار کے خیال کو آناً فاناً میں کہیں سے کہیں بدل دیا۔

انہوں نے فرمایا" سنجے جی! یہ سچ ہے کہ زندگی اور اس کی حکومت وعزت کے واسطے بے گناہوں کا خون بہانا۔ خصوصاً اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنا بُرا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بقا اس جہاں میں کسی کو نہیں۔ جس کے لئے وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کرے۔ مگر جس شخص کی حمایت میں تم نے یہ تقریر کی وہ خود ہی اس فساد کا بانی ہوا ہے۔ اسی نے دولت اور چار دن کی حکومت کے ہاتھ انصاف اور ایمان فروخت کیا ہے۔ وہی اپنے بھائیوں اور کنبہ والوں سے خونریزی پر آمادہ نظر آتا ہے۔ تم یہ باتیں پہلے اُس کو سُناؤ۔ یہ لکچر اُس کے سامنے دو۔ نصیحت اور انجام آخرت دکھانے کی دریودھن کو ضرورت ہے۔ ہم سب اس کو اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں۔

کیوں سنجے مہاراج! کیا تم دریودھن کے مشہور کارناموں کو نہیں جانتے۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ اس نے اپنے سگے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ کیسی کیسی بدسلوکیاں کی ہیں۔ کئی بار ان کی جان لینے کا ارادہ کیا۔ برسوں ان کو جلاوطن رکھا۔ اور جب انہوں نے اپنی محنت اور عقل سے ایک ملک آباد کیا تو دریودھن نے مکر وفریب کے جوئے سے اسکو چھین لیا

اور اپنے بھائیوں کو بھکاری فقیر بنا دیا۔ دریودھن کے باپ دہرت راشتر نے اپنے بھتیجوں کے حق کو نہ پہچانا۔ اور ہمیشہ اپنے بیٹے دریودھن کی پاسداری کی۔

یاد کرو کیسی بے حمیتی کا وقت سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب درو پدی کو بھرے دربار میں ذلیل کیا گیا۔ اس کی چادر اتاری گئی۔ اور چادر سے برہنہ کر کے ایک معصوم عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ عورت کون تھی۔ سُنو وہ راجہ درو پد جیسے طاقت والے راجہ کی بیٹی تھی۔ وہ ارجن جیسے بہادر کی بیوی تھی۔ اور میں کہوں گا کہ وہ بے غیرت دریودھن کی بھی بھاوج تھی۔ کیا دریودھن ایسا بے شرم ہو گیا تھا۔ کیا اس کی آنکھوں پر دشمنی کی ایسی پٹی بندھ گئی تھی کہ بھائیوں کی عداوت میں اس نے ایک بیگناہ عورت کی بے پردگی ایک عزت دار خاتون کی بے آبروئی کو دیکھا اور گوارا کیا وہ عورت چیختی رہی اس نے فریاد کی اور حمایتیوں کو پکارا مگر کسی نے اس کی مدد نہ کی کسی لے اُس کو اس قابل شرم ہتک سے نہ بچایا۔ کیا یہ دریودھن کی ایمان داری تھی۔ کیا یہی کام غیرت والے اور انصاف والے راجہ کیا کرتے ہیں۔ دریودھن کو تو مناسب تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی آن بان کے موافق عورت اور اپنی بھاوج کی ذلت نہ دیکھ سکتا۔ گو اس کے خاوند سے عداوت ہوتی مگر اس نے اپنی خاندانی روایتوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ بھول گیا کہ اس کے بڑے ایسے کمینے نہ تھے۔

سنجے مہاراج! آپ بھی تو اس وقت موجود تھے۔ آپ نے بھی دریودھن کو منع نہ کیا۔ اس وقت ترک دنیا کا لکچر کہاں چلا گیا تھا۔ جو آج ہمارے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔

ہم بہادر چھتری ہیں۔ اور چھتری لڑائی کو اپنا زیور جانتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ جنگ میں مرنا جنت میں جانا ہے۔ ہم ظالم۔ غاصب۔ اور گنہگار کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے ہیں۔ ہمارا ارادہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ہم خدائی قواعد کی حمایت میں تلوار میان سے نکالتے ہیں بے انصافی کی۔ ظلم و بے غیرتی کی حد ہو چکی ہے۔ اب ہم میدان جنگ

میں اس کو نیچا دکھائیں گے۔ اور اپنے بازو کی قوت اور ہتھیاروں کی طاقت سے خدا کے اس دشمن اور انصاف کے حریف کو شکست دیں گے۔

سری کرشن جی کی اس تقریر سے سنجے چپ ہو گیا، اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور کچھ جواب بن نہ پڑا۔

دربار پر بھی اس لکچر کا بڑا اثر ہوا۔ یا تو سب کے سب سنجے کی باتوں میں آ گئے تھے یا ایک دم خیالات بدل گئے۔ اور لڑائی لڑائی کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

سری کرشن سفارت کے روپ میں سنجے رخصت ہوا تو سری کرشن نے تجویز کی کہ ہمارے ہاں سے بھی بطور اتمام حجت دریودھن کے پاس سفارت جانی چاہئیے۔ اور میں یہ خدمت انجام دوں گا۔

سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور سفارت کی تیاریاں ہونے لگیں تو سری کرشن نے یدھشٹر سے فرمایا "دیکھیے ایسا نہ ہو کہ تو صلح کا خیال کر کے جنگی تیاری میں ڈھیلا ہو جائے مجھے ہرگز اُمید نہیں ہے کہ ظالم دریودھن صلح پر آمادہ ہو گا۔ وہ لڑائی کے بغیر ہرگز راہ راست پر نہ آئے گا۔ میں حجت پوری کرنے جاتا ہوں۔ تاکہ خدا اور دنیا والوں کے سامنے یہ کہہ سکوں کہ خونریزی سے بچنے کی آخر دم تک کوشش کی۔ ورنہ جانتا ہوں دریودھن کے دل پر۔ دماغ اور عقل پر گناہ نے پردے ڈال دئے ہیں۔ وہ ہرگز صلح منظور نہ کرے گا۔ وہ آسانی سے دوسرے کا حق نہ دیگا۔

یدھشٹر اور اس کے بھائیوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دریودھن سری کرشن کی جان کو صدمہ نہ پہنچائے۔ اس واسطے انہوں نے ادب کے ساتھ درخواست کی کہ آپ نہ جائیے ہم کسی اور کو سفارت پر بھیجدیں گے۔ ہمیں ڈر ہے کہ دریودھن آپ کے ساتھ کچھ آزاردہی سے پیش نہ آئے۔

سری کرشن نے مسکرا کر فرمایا "خاطر جمع رکھو۔ وہ میرا بال بیکا نہیں کر سکتا میری

طرف سے مطمئن رہ کر جنگ کی تیاری میں جی لگاؤ۔ ایسا نہ ہو سامان حرب کی فراہمی سے غافل ہو جاؤ کہ یہ ہی بڑی چیز ہے جس سے ہم ظالم پر فتح پاسکیں گے۔"

سری کرشن روانہ ہوئے تو یدھشتر نے احتیاطاً ایک ہزار سوار اور ایکہزار پیادے بطور باڈی گارڈ ان کے ہمراہ کر دئے۔

جس وقت سری کرشن ہستناپور پہونچے۔ دریودھن نے بڑی شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا۔ اور خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ مگر سری کرشن نے نہ دریودھن کا کھانا کھایا۔ نہ شربت پیا۔ اور درون اچاریہ کے پاس جا کر ٹھیر گئے جو برہمن اور تمام جنگی شہزادوں کا استاد تھا۔

دریودھن نے بہت عاجزی سے اس کا سبب پوچھا کہ جب آپ کسی فریق کے طرفدار نہیں ہیں تو میرا کھانا کیوں نہیں کھاتے۔؟

سری کرشن نے فرمایا "ہاں میں کسی فریق کا ساتھی نہیں ہوں۔ نہ مجھ کو تمہارے خاندانی جھگڑے میں کوئی ذاتی تعلق ہے۔ مگر تجھ کو گنہگار اور غاصب سمجھتا ہوں تیری بے انصافی کا مجھ کو یقین ہے۔ اس واسطے مجھ کو تیرے ہاں کھانا پینا جائز نہیں۔"

دہرت راشٹر نے پیغام سفارت سننے کو دربار آراستہ کیا۔ جہاں دریودھن بھیشم پتامہ درون اچاریہ۔ کرن۔ اور دریودھن کے دوسرے سب بھائی جمع ہوئے۔

تو سری کرشن نے دہرت راشٹر کو مخاطب کر کے ایک دھواں دھار تقریر کی۔ جس میں پسران پانڈو کی بیگناہی اور دریودھن کے مظالم کا ذکر کیا۔ اور فرمایا" پسران پانڈو خواہ مخواہ لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان کا حق ان کو مل جائے تو وہ ہرگز بھائیوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں گے۔ مجھ سے تو انہوں نے یہانتک کہدیا ہے کہ ہم کو تو صرف شہر اندر پرست دیدیا جائے۔ ہم اسی پر قناعت کر لیں گے یا اور کوئی ٹکڑا زمین کا مل جائے تاکہ ہم وہاں صبر سے زندگی کے دن پورے کر لیں اے راجہ اپنے خاندان کی انصاف کاریونکو

بنٹے نہ لگا۔ جو سارے ملک میں چاند سورج کی طرح روشن ہیں۔ اور حریص بیٹے کی خاطر اپنی عاقبت اور دنیا کی عزت برباد نہ کر۔"

دہرت راشتر نے جواب دیا۔ مہاراج! میں کیا کروں دریودہن میرا اور میری بیوی گندہاری یعنے اپنی ماں کا کہنا نہیں مانتا۔ ہم نے تو بہت سمجھایا آپ تم بھی اُس کو نصیحت کر دیکھو۔ میں تو بے بس ہوں۔

اس پر سری کرشن دریودہن کی جانب مخاطب ہوئے جو دربار میں اپنی جگہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دہرت راشتر سے زیادہ مؤثر تقریر کی۔ اور آخر میں فرمایا تو آدہا ملک اپنے بھائیوں کو دیدے۔ پسران پانڈو تیرے چچازاد بھائی ہیں۔ اصل حقدار وہی اس ملک کے ہیں کیونکہ ان کا باپ اس ملک کا مالک تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ یہاں تک آمادہ ہیں کہ تیرے باپ دہرت راشتر کی شہنشاہی قبول کر کے باجگزار راجہ کی طرح رہیں۔ اور تجھ کو شہنشاہ کا ولیعہد مانیں۔ تاکہ باپ کے بعد تو اُن کا شہنشاہ بنایا جائے۔

دیکھ لڑائی سے باز آ۔ یہ بُری چیز ہے۔ تم سب برباد و تباہ ہو جاؤ گے۔ پسران پانڈو ہرگز زیادتی نہیں کرتے۔ وہ ازحد عاجزی سے جھکا رہنا پسند کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ اب بھی تو صلح قبول نہ کرے۔ اور اُن کو اُن کا تھوڑا سا حق بھی نہ دے۔"

سری کرشن کی اس نرم گفتگو کو سُنکر تمام دربار ایک مُنہ بول اُٹھا۔ مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ دریودہن کو ماننا چاہئے۔

بھیشم پتامہ نے کھڑے ہو کر ایک پُر زور تقریر میں بھتیجہ کو سمجھایا اور سری کرشن کو راہ راست پر بتایا۔ درون اچاریہ نے اور ودر جی نے بھی دریودہن کو سر دربار اسی قسم کی نصیحتیں کیں مگر وہ کافر نہ مانا اور بگڑ کر بولا۔

"کیا تماشہ کی بات ہے سب لوگ مجھی کو الزام دیتے ہیں۔ میرے ہی سر پہ تمام گناہوں کا بوجھ رکھتے ہیں۔ سری کرشن تو خیر دشمن کے ایلچی ہیں جو چاہیں کہیں تعجب

اپنے باپ پر ہے کہ وہ سبھی مجھ کو خطاوار سمجھتے ہیں۔ بزرگ بھیشم پتامہ۔ چچا ودر جی۔ گرو درون۔ سب نے ایکا کر لیا ہے جو ہے مجھ کو مورد الزام کر کے نصیحت کی زبان کھولتا ہے۔ کیا دُنیا سے انصاف جاتا رہا۔ کیا دنیا میں عقل اور غور کا مادہ باقی نہیں رہا۔ کیا اتنے بڑے بڑے دانا اور عقلمند اور مشہور منصف مزاج عالم ناحق شناس ہو گئے۔

میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ میں نے کونسی حق تلفی کی ہے۔ آخر کوئی بتائے تو سہی کہ میرا قصور کیا ہے۔ یدہشتر نے خود جوا کھیلا۔ اور خود اسی نے اپنی سلطنت اور دولت کو جوئے میں ہارا۔ ایک دفعہ وہ ہار گیا تو میں نے برادرانہ محبت کے خیال سے وہ دولت واپس دیدی۔ مگر اس کو پھر قسمت آزمانے کا شوق ہوا اس نے پھر بازی لگائی۔ اور سب کچھ ہار گیا۔ خود اسی نے جلاوطنی کا قول دیا۔ خود ہی جلاوطن ہوا۔ میرا اس میں کیا دخل تھا۔ اسی کے کرتوت اس کے سامنے آئے۔

مگر میں اس پر بھی اس کو اپنا بھائی سمجھتا تھا۔ اس کی مسافری اور تکلیف سے کڑھتا تھا اگر وہ میرے پاس آتا تو اپنا راج بنا بنایا پاتا۔ لیکن وہ تو میرے خاندانی دشمنوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اس نے اس حکومت کے سایہ میں اپنا سر جھکایا جو صدہا سال سے ہمارے خاندان کی حریف اور غنیم تھی۔ جن کے بزرگوں سے ہمارے بزرگوں کی ہمیشہ تیغ زنی ہوتی آئی ہے۔ اور کبھی ہمارا سر اُن کے آگے نہیں جھکا۔ آج پسران پانڈو نے اتنی بڑی بے غیرتی کی کہ خاندانی دشمن کے دامن تلے چلے گئے اور اس کے بل پر مجھ سے جوان کا بھائی ہوں لڑنا چاہتے ہیں انہوں نے کیسے گوارا کیا کہ ہمارا اجدی دشمن ہم پر تلوار اٹھائے اور وہ اس کے ساتھ ہوں۔

دروپدی کو میرے بھائی ارجن نے فتح کیا تھا۔ میری عین خوشی تھی کہ حریف راجہ کی بیٹی کمال جنگ سے حاصل کی۔ لیکن اس کی بے پردگی کچھ ہوئی تو اس کا شکوہ کیوں کیا جاتا ہے۔ وہ دشمن کی بیٹی تھی اور ہمارے گھر میں لونڈی بنکر آئی تھی۔ سری کرشن اس کی تو

اتنی حمایت کرتے ہیں اور ہماری خاندانی آن بان کا خیال نہیں کرتے۔

میں چھتری ہوں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ لڑائی میں مرنے والا جنت میں جاتا ہے میں اپنے خاندانی دشمن سے لڑوں گا۔ اور اس کو دکھا دونگا کہ کورو خاندان میں پانچال خاندان کو نیچا دکھانے کی اب بھی طاقت موجود ہے۔ اگر میرے بے غیرت بھائی اُس کے ساتھ ہیں تو کچھ پروا نہیں ہے۔ میں سب کو دیکھ لونگا اور آدھا ملک کیا۔ ایسی صورت میں تو سوئی کے ناکہ کے برابر بھی زمین ان کو نہ دونگا"

دریودھن یہ تقریر کرکے دربار سے اُٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا گیا۔ اس کے ساتھ اُس کے بھائی اور تمام ہمخیال لوگ بھی چلے گئے۔

تو سری کرشن نے فرمایا" جب دھرت راشٹر باپ۔ گندھاری ماں۔ بھیشم پتامہ جیسے بزرگ۔ درون جیسے اُستاد گرو اور تمام لوگوں نے دریودھن کو سمجھانے کا حق ادا کر دیا تو اب سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں کہ اس نادان کو قید کر لیا جائے تاکہ یہ خانگی فتنہ و فساد بڑھنے نہ پائے۔ وہ کہتا ہے راجہ دروپد خاندانی دشمن ہے مجھے اس پر ہنسی آتی ہے۔ جب اس نے بیٹی دیدی تو دشمنی کہاں رہی دریودھن نے یہ غلط کہا کہ دروپدی لونڈی کے مثل ہے۔ ارجن نے اس کو امتحان میں جیتا ہے لڑائی میں نہیں جیتا۔ دریودھن کو ایسے الفاظ کہنے مناسب نہیں۔

الغرض سری کرشن دربار سے اپنی قیامگاہ پر آگئے۔ اور دھرت راشٹر یا کسی اور کو ہمت نہ ہوئی جو دریودھن کو قید کرتا۔ اور اس فتنہ کو دبایا جاتا۔ بلکہ دریودھن نے خود سری کرشن کو گرفتار کرنا چاہا اور اُس کے لئے زبردست سازش کی۔ مگر خبر کھل گئی سری کرشن کے ہمراہی ہوشیار ہو گئے۔ اور سری کرشن نہایت آرام اور بے پرواہی سے روانہ ہو کر راجہ دروپد کے پاس واپس آگئے اور دشمن اُن کا ایک بال بھی ٹیڑھا نہ کر سکے۔

اس سفارت کے زمانہ میں سری کرشن رانی کُنتی سے بھی ملے۔ جو پسران پانڈو کی

والدہ اور سری کرشن کی پھوپی تھیں۔ اور دھرت راشٹر کے پاس رہتی تھیں۔ کنتی رانی نے چودہ برس سے بیٹوں کو نہ دیکھا تھا اور وہ ازحد بے قرار تھیں انہوں نے بہت چاہا کہ باہمی خونریزی بھائیوں میں نہ ہو۔ مگر تقدیر کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

لڑائی کا سنکھ بج گیا۔ تلوار تڑپ کر میان سے باہر نکل آئی۔ فوجیں نقل وحرکت کرنے لگیں ہندوستان کے وہ بادل کونہ کونہ سے اٹھنے لگے جن کو مہابھارت میں خون کا مینہ برسانا تھا لشکروں کی آندھیاں گرد وغبار اڑاتی ہوئی چاروں طرف سے اٹھیں۔ فوجوں کے بگولے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

سری کرشن نے سفارت کا انجام سنایا تو یدہشٹر سپاہ کو لیکر ہستنا پور کی جانب بڑھا۔ راجہ دھرپد کا بیٹا و ٹوُمن سپہ سالار بنا۔ جتنے آس پاس کے راجہ تھے۔ یا میل جول کے فرمانروا تھے وہ سب ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ اور ہستنا پور پر دھاوا بولدیا۔

ادہر سے دریودہن بھی تلوار گھسیٹ کر کھڑا ہوا۔ دور دور کے راجہ مہاراجہ کمک کو دوڑے جن کو سری کرشن سے خدا واسطہ کا بیر تھا اپنے اپنے لشکر لیکر دریودہن کی سپاہ میں آن ملے اور ایک کالی گھٹا کی طرح امنڈتے ہوئے چلے۔ بھیشم پتامہ سیناپتی یعنی کمانڈر انچیف تھے درون کرن جیسے بہادر نبرد آزما ساتھ تھے۔

کرن ارجن کا سوتیلا بھائی تھا۔ مگر کسی شبہ کے سبب خلقت اس کو ارجن کا بھائی تسلیم نہ کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سومبر کی رسم میں دروپدی نے اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا تھا جس کا کرن کو ازحد خار تھا۔ اور وہ ارجن کی جان وآبرو کا دشمن بنا رہتا تھا۔ دروپدی کی بے چادری والی توہین میں بھی کرن کا ہاتھ تھا۔ اور کرن اپنے بھائی ارجن کو چھوڑ کر دریودہن کا ساتھی صرف اس وجہ سے ہوگیا تھا کہ سومبر والی ہتک اُس کو کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی سری کرشن جی نے سفارت کے زمانہ میں بہت کوشش فرمائی تھی کہ کسی طرح کرن کو دریودہن سے توڑ لیا جائے مگر کرن ہرگز نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ میں تو ارجن کا خون

بہا کر خوش ہوئیگا۔

آج کرن بھی بڑے ارمان سے لڑنے چلا تھا۔ اور اس کو اُمید تھی کہ انتقام کا وقت آگیا۔

یدہشتر کا لشکر تھانیسر کے پاس کروکشیتر میں آکر ٹھہرا۔ اور وہیں دریودھن کی فوج اُس کے مقابلہ میں جاکر صف آرا ہوئی۔ کوسوں تک فوجوں۔ ہاتھیوں۔ گھوڑوں۔ رتھوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ چھوٹے بڑے لڑنے والے کسی نہ کسی فریق کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ ہندوستان نے اپنے سب جگر کے ٹکڑوں کو کٹنے کے لئے میدان میں بھیجدیا تھا۔ یہ وہی لڑائی تھی۔ یہ اسی معرکہ کی صف آرائی تھی جس نے ہندوستان کا ستیا ناس کر دیا۔ جس نے یہاں کے علوم و فنون کی ترقیوں کو خاک میں ملا دیا۔ جس کے بعد پھر ہندوستان والے دن بدن فنا ہونے لگے۔ اور آخر یہ نوبت آئی کہ باہر کے ترکوں اور عربوں نے ان پر حملہ کر کے صدہا سال اپنا محکوم بنائے رکھا۔ مہا بھارت اسی جنگ کا نام ہے جس کے بعد ہندوستانی بھرم نابود ہو گیا۔

حریف کے قدموں میں دونوں لشکر آراستہ ہو چکے۔ فوجوں کی صف بندی قایم ہو گئی تو یکایک یدہشتر اور ارجن اپنی صف سے باہر نکلے اور انہوں نے اپنے ہتھیار اتار کر پھینکدئے۔ خلقت اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ لیکن جب یہ دونوں نہتے ہوکر حریف کے لشکر کی طرف چلے تو ان کی سپاہ کی حیرت اور بھی بڑھ گئی۔ خیال یہ ہوا کہ شاید ان کو لڑنا منظور نہیں ہے۔

حریف بھی چپ چاپ کھڑا اس تماشہ کو دیکھتا تھا۔ اور دم بخود تھا۔ یدہشتر اور ارجن سیدھے بھیشم پتامہ اور درون اچاریہ کے خیمے میں گئے اور ان دونوں کے قدموں میں سر رکھ کر کہا "اے بزرگ اور اے استاد ہم آپ کے سکھائے ہوئے نا چیز شاگرد ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم کو آپ کے سامنے تلوار کھینچکر کھڑا ہونا پڑا۔ اور آپ کو بھی مجبوراً ہم چھوٹوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانی پڑی۔ اس کا شکوہ ہم کو نہیں ہے کہ آپ سب

استاد اور ہمارے تعلیم دینے والے ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں آپ دریودھن کو قول دے چکے ہیں اور مجبور ہیں۔ مگر ہم بھی لاچار ہیں۔ ہم نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور صلح کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اب جبکہ لڑائی سر پر آگئی تو ہمارا فرض ہے کہ پہلے آپ کو سلام کریں اور آپ سے لڑائی شروع کرنے کی اجازت مانگیں۔ اگر کسی دوسرے غنیم کا مقابلہ ہوتا تب بھی ہم آپکی اجازت کے بغیر میدان میں نہ نکلتے۔ اور اب گو خود آپ ہی سے جنگ کرنی ہے تو بھی ہم آپ ہی کی اجازت مانگنے آئے ہیں۔ جب تک اجازت نہ دینگے ہماری تلوار میان سے باہر نہ نکلے گی۔"

بھیشم اور درون پر یدھشٹر اور ارجن کی اس سعادتمندی کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے ان کو اٹھا کر چھاتی سے لگایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بہت سی دعائیں دیں اور کہا۔

"جاؤ ہم تم کو دل سے اجازت دیتے ہیں۔ میدان قتال گرم کرو۔ خدا تم کو فتحیاب کرے گا۔ اور فتح تو تمہاری اسی وقت ہو گئی جب تم ایسی نیک خیالی اور سعادتمندی سے اپنے دشمنوں میں بے ہتھیار چلے آئے۔"

اس کے بعد بھیشم اور درون نے اپنے ان شاگردوں کو لڑائی کے چند ضروری آداب تعلیم کئے اور دور تک ساتھ جا کر رخصت کیا۔

یدھشٹر اور ارجن کی اس کارروائی نے دوست دشمن سب کو ان کا گرویدہ کر دیا اور ہر شخص کی زبان سے بے اختیار ان کی تعریف نکلنے لگی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پسران پانڈو کی یہ کسر نفسی ان کے اعلیٰ و شریفانہ کیرکٹر پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے یہ ایسا کام کیا کہ تلوار چلانے سے پہلے دشمن ان کا مغلوب ہو گیا۔ بات کی تلوار سے انہوں نے ہر دل کو مسخر کر لیا۔ یہی نہیں کہ انہوں نے حریفوں کے دل موم کر دئے بلکہ اپنی فوج کے دلوں کو دوگنا کر دیا۔ اس فعل کے بعد یدھشٹر کے

لشکر کا ہر سپاہی یدہشٹر کو بے گناہ اور دریودہن کو پاپی جفا کار سمجھنے لگا ہوگا اور پھر اس نے پورے ایمان کے ساتھ اور سچے جوش کے ارادے سے دشمن کے سر پر تلواریں ماری ہونگی۔

آج یدہشٹر وارجن موجود نہیں ہیں۔ آج دریودہن کی خاک بھی دنیا سے ناپید ہے مگر پسران پانڈو کا یہ کارنامہ قیامت تک موجود رہیگا۔ اور ہندو قوم کے برتر خصائل کی گواہی نسلاً بعد نسلاً دیتا رہیگا۔ کہ اس قوم کے حکمران عداوت اور دشمنی کی حالت میں بھی ایسے سیر چشم اور شریفانہ وضعداری کے پابند ہوتے تھے۔

ارجن کا رتھ اس سین پر پردہ گرا تو ارجن اپنے جنگی رتھ میں سوار ہوا۔ سری کرشن حسب وعدہ اس کے ساتھ رتھ بان بنے۔ اور رتھ کو لیکر میدان جنگ میں نمودار ہوئے۔

ارجن نے کہا۔ میرے آقا رتھ بان! ذرا اس رتھ کو لیکر دشمن کی سب صفوں کے آگے سے گزرو۔ تاکہ میں دیکھوں آج کے دن کون کون ہم سے لڑنے آیا ہے۔ اور ہم کو کس کس طاقت سے مقابلہ کرنا ہے۔

سری کرشن نے ایسے ہی کیا اور رتھ کو تمام میدان میں پھرایا۔ جب ارجن سب کچھ دیکھ چکا تو ایک دفعہ ہی بولا۔

"گرودا تا۔ میرے بازو تھرتھراتے ہیں۔ میرا دل لرزتا ہے۔ ایمان اور ضمیر کانپتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ مقابلہ میں صفوں میں سوائے بزرگوں استادوں۔ بھائیوں کنبہ والوں۔ قرابت داروں کے اور کوئی نہیں ہے۔ کیا میں ان عزیزوں پر تلوار اٹھاؤں کیا مجھ کو اپنے بڑوں سے گستاخ ہونا پڑے گا۔ کیا میں اپنے سگوں کو خاک و خون میں لٹاؤں گا۔ نہیں نہیں اے میرے رہبر مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔

دنیا میں جینے کا مزہ۔ حکومت۔ اور مال و دولت کا لطف ان ہی لوگوں سے ہے۔ جب میں ان کو قتل کردوں گا تو پھر بادشاہت اور روپیہ پیسہ کیا بہار دیگا۔ مجھ سے تو یہ گناہ کبھی نہ ہوگا۔ رتھ کو الٹا پھیرو مجھ سے لڑائی نہ ہو سکیگی۔ میں ایسی عزت کو ذلت

سمجھتا ہوں جو اپنے گھر والوں کے قتل سے حاصل ہو۔

گیتا کا لکچر سری کرشن جی نے ارجن کی یہ بات سُنی تو وہ مُسکرائے اور انہوں نے اپنی نشست سے مڑکر ارجن کو دیکھا اور فرمایا۔

"زندگی کیا ہے۔ مرنا کیا ہے۔ تو ان کا فرق سمجھا کیا ہے۔ خوشی کس کو کہتے ہیں غم کیا ہوتا ہے انصاف کے کیا معنی ہیں۔ ظلم کس کا نام ہے۔ اے نادان تجھ کو ابھی ان باتوں میں کسی کا بھی علم نہیں ہے۔ ورنہ تو ایسی بزدلی کی بات نہ کہتا۔

تو چھتری ہے اور چھتری کا ایمان یہ ہے کہ وہ ظالم کو پامال کرے اور مظلوم کو اُس کے پنجہ سے بچائے۔

جن کو تو نے اپنا اور سگا سمجھا ہے ان میں کوئی بھی اپنا نہیں سب پرائے ہیں گناہ اور پاپ ایک میل ہے جو کپڑوں کا اُجلاپن کھو دیتا ہے اگر دھوبی کپڑوں پر رحم کرے اور ان کو پتھر پر اُٹھا اُٹھا کر نہ مارے تو بتا ان کا میل کیونکر دور ہو۔ اور وہ کس طرح صفائی حاصل کریں ؟ یہ سامنے والی فوجیں گناہوں میں میلی ہو رہی ہیں۔ تلوار کے گھاٹ ان کو دھونا چاہیئے یہ مرتے نہیں ہیں کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ یہ پاپی جسم بدل جائیں گے اور تیری تلوار ان کو بدل دیگی۔ تو پھر ان کو اُجلے اور صاف جسموں کا لباس ملیگا۔ ہمت نہ ہار۔ اپنی جوانمردی کو بٹہ نہ لگا۔ بہادر چھتریوں کی طرح تیر کمان اُٹھا۔ تلوار بلند کر۔ نیزہ کو جنبش دے اور لڑ"

یہ گیتا کی ابتدا تھی اور پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو لکچر سری کرشن نے ارجن کو اسی میدان کارزار میں دئے۔ ان سب کے مجموعہ سے گیتا کتاب تیار ہوئی۔

جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ایسے نازک وقت میں تقریر اور پھر ایسی باریک فلسفیانہ تقریر کی فرصت کہاں ہوگی۔ لہذا گیتا کو سری کرشن سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ کسی اور شخص کی تصنیف ہے۔ ان کا کہنا سراسر غلط ہے۔ سری کرشن کو سوائے بولنے اور رتھ کو ادھر سے

اُدھیر پہچاننے کے اور کام ہی کیا تھا۔ ان کی معمولی معمولی باتیں بھی فلسفہ حیات و کائنات سے لبریز ہوتی تھیں۔ کجا کہ ایسے موقع کا بیان جبکہ جذبات ابھارنے والی ایک عظیم الشان جنگ آنکھیں دیکھ رہی ہوں مرنے والوں کی بے چینیاں۔ زخمیوں کی چیخیں۔ تلواروں کی جھنکاریں تیروں کے سناٹے سنائی دیتے ہوں۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہو تو ایک روشن ضمیر روشن دماغ فلاسفر جو کچھ بھی کہہ جاتا کم تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں گیتا اور اُس کے فلسفہ پر رائے زنی ہوگی۔ یہاں تو فقط اتنا بتانا تھا کہ جنگ سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا اور ارجن کو ہمت ہارتا دیکھ کر سری کرشن جی نے دوبارہ آمادہ کیا۔ اور انہی کی تقریر سے متاثر ہو کر اس کو حرب و ضرب کا میلان ہوا اور اسی موقع پر گیتا کی تقریریں ہوئیں۔

مقابلہ آخر ارجن لڑنے پر رضامند ہوگیا۔ تیر چٹکیوں سے نکلنے لگے۔ کمانیں دوہری ہونے لگیں سینے چھدنے شروع ہوئے۔ تلوار سروں پر کھیلنے لگی۔ اور دونوں فوجوں نے دادِ شجاعت دینی شروع کی۔

یدھشٹر کی فوج کا افسر اعلیٰ دیومن راجہ درو پد کا بیٹا اور ارجن کا سالا تھا۔ اور دریودھن کا سپہ سالار بھیشم پتامہ تھا۔

بھیشم کمالات حرب میں ایسا طاق تھا کہ اس کی برابر یدھشٹر کی فوج میں کوئی افسر نہ تھا۔ سوائے ارجن کے۔ اور ارجن کی یہ حالت تھی کہ وہ سری کرشن کے کہنے سننے سے لڑائی پر آمادہ تو ہوگیا تھا اور لڑ بھی رہا تھا مگر اس کا دل نہ لگتا تھا۔ خصوصاً جب بھیشم جیسے بزرگ کو سامنے دیکھتا تو کنیا جاتا۔ یعنے دانستہ شدت جنگ کو ٹال دیتا۔ اس کی وجہ سے بھیشم کی فوج بڑھ بڑھ کر حملے کرتی تھی۔ اور یدھشٹر کی صف بندی بکھری جاتی تھی۔ اور آدمیوں کا کثیر نقصان ہو رہا تھا۔

کئی دن یہ نوبت رہی اور بھیشم نے یدھشٹر کے لشکر کا جی چھڑا دیا۔ اور بے حد نقصان کیا۔ تو سری کرشن کو انجام بد کا اندیشہ دامنگیر ہوا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ارجن جان بوجھ

ڈھیل دیتا ہے۔ اور بھیشم سے لڑنا نہیں چاہتا اس طرح تو ساری فوج تمام ہو جائے گی۔ اس واسطے وہ گھڑی گھڑی ارجن کے رتھ کو بھیشم کے مقابلہ میں لاتے تھے کہ کسی طرح ارجن بھیشم کا کام تمام کر دے۔ مگر وہ ہر دفعہ ہاتھ روک لیتا تھا۔

یاد ہوگا سری کرشن نے عہد کیا تھا کہ میں اس جنگ میں ہتھیار نہیں چلاؤں گا مگر جب انہوں نے ارجن کی یہ مروت دیکھی تو ان سے رہا نہ گیا۔ رتھ سے کود پڑے اور رتھ کا پہیہ لیکر خود بھیشم کے مقابلہ کو بڑھے ''

یہ کیفیت دیکھ کر ادھر سے تو ارجن ہاتھ جوڑتا اور پکارتا ہوا دوڑا کہ خدا کے لئے آپ اپنا عہد نہ توڑیئے۔ آپ ہتھیار نہ لیجئے۔ میں لڑتا ہوں۔ میں بھیشم پر حملہ کرتا ہوں اور اُدھر بھیشم نے نعرہ لگایا اور کہا آیئے آیئے میرا سر حاضر ہے۔ کہاں نصیب جو آپ کے ہاتھ سے میرا سر قلم ہو۔ لیجئے لیجئے میں گردن جھکاتا ہوں۔ قوت آزمایئے یہ بھی ناظرین کو معلوم ہے کہ بھیشم پتامہ سری کرشن کو اوتار سمجھ کر ان کا غلام بنا ہوا تھا اور انکی عزت اس کے دل میں ایسی ہی تھی جیسی ایک اوتار کی ہونی چاہیئے۔ بھیشم ہی وہ شخص ہے جس نے راج سو یگ میں سری کرشن کی پوجا کی مقدم تحریک کی تھی۔ اور جو ششوپال سے دوبدو حمایت کرشن میں لڑتا تھا۔ جب اس نے سری کرشن جیسی ہستی کو دیکھا کہ وہ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو اس کا خوش ہونا قدرتی امر تھا کہ میرا انجام ایک اوتار کی تلوار سے ہوتا ہے۔

ذرا خیال کرنا بھیشم کے دل محبت شناس کا تصور کرنا کہ جب اس نے اپنے محبوب و مطلوب حقیقی کو شمشیر بکف اپنے اوپر حملہ کناں آتا دیکھا ہوگا تو اس میں کیا کیا دلولے اور کیا ارمان پیدا ہوئے ہونگے اور اس نے کیسی سچی اور پر کیف خوشی سے نعرہ لگایا ہوگا ارجن کی منت سماجت سے سری کرشن نے پہیہ پھینک دیا۔ اور مسکراتے ہوئے بھیشم کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے پھر رتھ پر آن بیٹھے اور لڑائی کا سماں دوبارہ بندھ گیا۔

دوسرے دن بھیشم نے اپنے لشکر میں کسی سے کہا کہ میری موت اس شخص کے

ہاتھ سے مقدر ہے جس کی شکل عورتوں جیسی ہوگی۔ یہ خبر ارجن کو پہنچی تو شکنڈی نامی ایک شخص کو اس نے ساتھ لیا جو زنانہ تہا۔ اور بھیشم پر حملہ کیا۔ شکنڈی کو سامنے دیکھ کر بھیشم نے ہتھیار پھینک دیئے اور ارجن نے ایک کاری زخم بھیشم کے لگایا۔ جس سے وہ مضمحل ہوکر گر پڑا۔

بھیشم کے گرتے ہی دونوں طرف کے سردار دوڑے اور بھیشم کے آس پاس جمع ہو گئے۔ بھیشم نے تکیہ مانگا۔ دریودھن نے ریشمی نرم تکیے منگائے مگر بھیشم نے ان کے سرہانے رکھنے سے انکار کیا۔ تو ارجن نے تین تیر زمین میں گاڑ دئے اور بھیشم نے خوشی خوشی ان تیروں سے سر ٹیک کر سہارا لیا۔

یہ تکیہ بھیشم کی جوانمردی اور سپاہیانہ شان کا بہترین نمونہ تھا جس میں اُس نے ہندو قوم کو ایک پُر معنی نصیحت کی کہ بہادر لوگ ریشمی تکیے نہیں لگایا کرتے۔ بلکہ تیروں کے بستر پر سوتے اور آرام کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بھیشم پتامہ نے خود اپنے قاتل کی حالت نہیں بتائی تھی بلکہ اس کی خصلت کا خیال کرکے ارجن نے شکنڈی زنانہ کو سامنے کیا تہا تاکہ بھیشم اس کو عورت سمجھ کر ہتھیار نہ چلائے اور میں اس فرصت میں اُس کا کام تمام کردوں۔ اگر یہ روایت سچ ہے تب بھی اس سے بھیشم کی مردمزاجی ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے جان کی پروانہ کی اور عورت شکل پر ہاتھ اٹھانے سے باز رہا۔

درون اچاریہ کی سپہ داری بھیشم زخمی ہوکر بیکار ہوگیا تو دریودھن کی فوجی کمان درون اچاریہ کے سپرد کی گئی۔ یہ بھیشم سے زیادہ ہنرمند جنرل تہا۔ اس نے بھی وہ ہاتھ دکھائے اور اس خوبصورتی سے فوجوں کو لڑایا کہ یدھشٹر کی افواج کا ستیاناس ہوگیا۔ ہر چند یدھشٹر کے افسران لشکر جان توڑ توڑ کے لڑتے تھے مگر درون کی حکمت عملیوں اور نقشہ جنگ کے سامنے ان کا بس نہ چلتا تھا۔ اور نامی نامی سورما کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ آخر سری کرشن نے تجویز کی کہ درون کے ساتھ ایک فریب کرنا چاہئے۔ کیونکہ فریب جنگ

میں جائز ہے۔ اور اس کے بغیر درون کی قوت کو توڑنا محال ہے۔ مگر درون فریب نہ کھائیگا۔ جبتک یدہشٹر اس میں حصہ نہ لے۔ کیونکہ یدہشٹر پر درون کو بہت بھروسہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ یدہشٹر کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن یدہشٹر کو راضی کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ لہذا بصلاح سری کرشن یہ ترکیب کی گئی کہ اشوتہاما نامی ایک ہاتھی یدہشٹر کے سامنے لاکر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد یدہشٹر سے کہا کہ وہ پکار کر کہے اشوتہاما ہاتھی مارا گیا۔ اشوتہاما مارا گیا تو آواز سے کہے اور ہاتھی آہستہ سے کہدے۔ تاکہ دور کے سُننے والے ہاتھی کا لفظ نہ سُنیں فقط اشوتہاما کا مرنا ان کو سُنائی دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یدہشٹر نے بہزار وقت اس جھوٹ کو گوارہ کیا اور اشوتہاما مارا گیا پکار کر کہدیا۔

درون کے بیٹے کا نام بھی اشوتہاما تھا۔ اور یہ فریب اسی غرض سے کیا گیا تھا کہ درون کا دل بیٹے کی موت کا حال سُنکر ٹوٹ جائے۔ اور جب اس کی ہمت پست ہو تو ہم اس کو مار ڈالیں۔

درون یدہشٹر کو بڑا سچا اور ایماندار جانتا تھا اُسے ہرگز گمان نہ تھا کہ یدہشٹر کوئی مکر کی بات کرے گا۔ لہذا اُس نے جوں ہی یدہشٹر کی زبان سے سُنا کہ اشوتہاما مارا گیا۔ اُسی وقت ہائے کا نعرہ مار کر دل برداشتہ ہوگیا۔ اور بیٹے کے غم نے اس کی کمر ہمت توڑ ڈالی۔ حریف تو اس تاک میں پہلے سے لگے ہوئے تھے۔ دیومن سپہ سالار نے آگے بڑھ کر درون کا کام تمام کردیا۔ درون کے واقعہ میں یدہشٹر اور سری کرشن پر جھوٹ اور فریب کا الزام لگایا جاتا ہے مگر آجکل کے زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص کو راست بازی کا عام دعوٰی ہے کوئی اس قسم کے فعل کو فریب اور جھوٹ نہیں کہتا۔ میں یہ کتاب لکھہ رہا ہوں جنگ یوروپ ہو رہی ہے۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی قوتیں میدان جنگ میں مصروف تیغ زنی ہیں۔ اور ہر فریق واقعات جنگ کو اپنے ڈھب اور مطلب کے موافق بیان کرتا ہے۔ دروغ اور راستی کی کسی کو بھی پروا نہیں ہے۔ جھوٹ کو جائز سمجھہ لیا گیا ہے۔ اور کوئی شخص اس پر اعتراض نہیں کرتا کیونکہ

جنگ کی مشکلات کو اب ایک بچہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس مہا بھارت جیسی عظیم جنگ اور درون جیسے آزمودہ کار جنرل کو شکست دینے کی سوائے اس مکر کے اور کوئی صورت نہ تھی۔ سری کرشن نے جو کچھ کیا عین اصول حرب کے موافق کیا اور اس سے ان پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کے ہاں بھی الحرب خدعۃ آیا ہے۔ یعنے لڑائی میں مکر کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ایسا مکر جائز ہے جو عہد اور وعدہ کے خلاف نہ ہو۔ درون سے جو مکر کیا گیا اس میں صرف ایک قسم کا ہلکا سا دھوکا تھا۔ یا مغالطہ تھا۔ عہد شکنی کا فریب اس میں نہ تھا۔ البتہ دریودہن کی فوج نے جو فریب کئے ہیں وہ دغابازی کی حد تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ اسی درون کے بیٹے اشوتھامہ نے دریودہن کے زخمی ہونے اور شکست پانے کے بعد ایک رات کو چوروں کی طرح آکر پانڈو خاندان کے تمام نوجوان شہزادوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ حالانکہ یہ حرکت مردانگی اور آئین حرب کے بالکل خلاف تھی۔ سوتے آدمی کو بےخبری میں مارنا نہایت کمین کام ہے۔

سری کرشن معلم عشق تھے۔ معلم جنگ تھے۔ معلم معاشرت تھے۔ معلم آخرت تھے ان کے اس فعل سے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے فن حرب کی ایک عملی مثال دنیا کو دکھا دی۔ اب چاہے کوئی اچھا کہے یا برا کہے ان کو یا ان کی برتر و برگزیدہ شان کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ اس سے ان کے پاکیزہ خصائل پر کوئی دھبہ لگ سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا درون کی حرکات قبیح کے جواب میں کیا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو بہت کم کیا۔ درون برہمن تھا درون مذہبی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس کا فوجی عہدہ بھی سب سے برتر تھا مگر اس نے سب سے پہلی بے ضابطگی تو یہ کی کہ حریف کے خلاف ایسے ہتھیار استعمال کئے جن کا علم حریف کو نہ تھا۔ اور ان سے بےشمار جانیں بے پناہ ہلاک ہو گئیں۔

آجکل جرمن قوم پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ لڑائی میں ایسے ہتھیار کام میں لاتی ہے جن کا جواب اس کے دشمنوں کے پاس نہیں ہے۔ یا اس قسم کے طریقے اختیار

کرتی ہے جن سے انسانوں کی جانیں زیادہ ضایع ہوں۔ آبدوز کشتی کے ذریعہ مسافری جہازوں کو غرق کر دیا جاتا ہے۔ اور ہزاروں بے گناہ شہری۔ عورتیں بچے۔ بوڑھے ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ یا ہوائی جہازوں سے شہروں پر بم پھینکے جاتے ہیں جن سے غیر جنگی آبادی ہلاک و تباہ ہوتی ہے۔ یا میدان جنگ میں زہریلی گیس استعمال ہوتی ہے۔ جو آدمیوں کو دم گھونٹ کر مار ڈالتی ہے۔

لہٰذا اگر جرمنوں کے دشمن بھی کوئی مکارانہ چال ان کے خلاف کریں تو کوئی منصف مزاج شخص ان کو ملزم نہ کہے گا۔

یہی حال درون اچاریہ کا ہوا۔ وہ جنگ کی سائنس سے واقف تھا۔ اس کو ایسے ہتھیار معلوم تھے جو آناً فاناً میں ہزاروں آدمیوں کو فنا کر دیں۔ وہ ایسی عجیب ترکیبیں لڑائی کی جانتا تھا جن کا توڑ دشمن کو معلوم نہ تھا۔ پسران پانڈو کی فوج نے دیکھا کہ درون باوجود برہمن ہونے کے یہ پاپ کر رہا ہے کہ تباہ کن آلات حرب سے ہماری فوجوں کی صفیں کی صفیں مری چلی جاتی ہیں۔ اور ہم اس کا کچھ علاج نہیں کر سکتے۔ تو کیا وہ درون کو معاف کر دیتے آج ہم ودمدم گولیوں کے استعمال پر طعن کرتے ہیں کہ ان سے زخم گہرا پڑتا ہے۔ اور آدمی مرتے زیادہ ہیں۔ کل درون کو ہم کس طرح معاف کر سکتے تھے۔ جس نے برہمن ذات ہو کر خلاف آدمیت آلات مہلک استعمال کئے اور ہزاروں بیگناہوں کو مار ڈالا۔

دوسرے درون نے ایک کمینی حرکت اور کی جو فنون جنگ۔ اور آداب حرب کے سراسر خلاف تھی۔ اور درون جیسے اعلیٰ درجہ والے کی شان سے گری ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ ایک دن اثنار جنگ میں سری کرشن اور ارجن نقشہ جنگ کی تجاویز سوچنے کو میدان کارزار سے غیر حاضر تھے۔ اور ارجن کا بیٹا ابھے مینو جو سری کرشن کی بہن سوبھدرا کے بطن سے تھا باپ کی جگہ فوج کی کمان کر رہا تھا۔ درون نے موقع پا کر اپنے لشکر کے چھ مشہور جنرل منتخب کئے۔ اور ساتواں خود ان کے ساتھ ہوا۔ اور سب نے ملکر بچارے ابھے مینو کو گھیر لیا

جس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ ابھے مینو نے ہر چند داد شجاعت دی۔ اور خوب ہاتھ دکھائے۔ مگر سات خرانٹ تجربہ کار جنرلوں کے آگے سولہ برس کا بچہ کی کیا حقیقت تھی۔ زخمی ہو کر گرا۔ اور جیدر ستھ راجہ سندھ نے اس کا سر کاٹ لیا۔

ابھے مینو کے قتل نے یدہشتر کے لشکر میں ہل چل ڈالدی اور اسقدر عظیم الشان کہرام و ماتم بپا ہوا جس کی کچھ حد نہیں۔ شام کو ارجن اور سری کرشن واپس آئے تو یہ حال سنکر ان کو بھی قلق ہوا۔ اور ارجن نے جیدرستھ کو دوسرے دن مار کر خون پسر کا عیوض لے لیا۔

درون کی یہ دو صریح اور صاف کمینی حرکتیں دیکھکر سری کرشن نے یہ مکر تجویز فرمایا تہا۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تجویز ناروا تھی۔ درون کو شرم نہ آئی جب وہ ایک خرد سال لڑکے پر سات جنرلوں کو لیکر چڑھ گیا۔ اور عالم تنہائی میں اس کو مار ڈالا۔ سری کرشن کی اس تجویز میں سوائے درون کی ذات کے اور مخلوق خدا کا نقصان نہ تہا۔ انہوں نے ایک بدذات موذی کو ہلاک کر کے ہزاروں جانوں کو بچالیا۔ جو اس شریر کے بے پناہ آلات حرب سے برباد ہو رہی تھیں۔ لہذا ایسا مکر۔ ایسا جھوٹ۔ ہزار دیانتوں اور لاکھ سچائیوں سے اعلیٰ ہے۔ جو بندگان خدا کی جان بچائے۔

کرن کا میدان کو بھیشم اور درون کی موت نے دریودہن کے حوصلے پست کر دئے تھے اس کی سپاہ پراگندہ خاطر اور دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ تاہم حسد کی آگ رہ رہ کر سہارا دیتی تھی درون مرا تو اس نے کرن کو سپہ سالاری دی۔ اور دوسرے دن کرن نہایت کروفر سے میدان میں افواج کو لڑانے نکلا۔ اور خوب ہنر مندیاں جنرلی کی دکھادیں۔

کرن نے قسم کھا رکھی تھی کہ یا تو ارجن کو میں قتل کرونگا۔ اور یا اس کے ہاتھ سے خود مارا جاؤں گا۔ اس واسطے کرن کی سپہ داری نے لڑائی میں عجیب طرح کی جان ڈالدی تھی۔ دریودہن کی فوج کو خیال تھا کہ کرن ضرور ارجن کو مار ڈالیگا۔ کیونکہ فن حرب میں اسکی برابر کا ہے۔ اور شوق انتقام میں اس سے بڑھا ہوا ہے۔

یدھشٹر کو بے سپاہ کر دے ایک طرف ارجن کا فکر تھا۔ تو دوسری طرف یہ آس لگی ہوئی تھی کہ کرن کے بعد میدان صاف ہے۔ اس کو مار لیا تو گویا دریودھن کو مار لیا۔ پھر کوئی کانٹا میدان میں باقی نہ رہے گا۔ غرض اسی امید و بیم میں کرن کی جنگ شروع ہوئی۔ کرن نے بھیشم اور درون کی طرح یدھشٹر کی فوج کا بہت نقصان کیا۔ وہ تاک تاک کر ارجن کے تیر مارتا تھا۔ اور ارجن بھی چاہتا تھا کہ کرن کے سامنے جا کر مقابلہ کرے۔ مگر سری کرشن ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے نہ لیجاتے تھے۔ اور طرح دے دیکر موقع ٹال رہے تھے کرن نے اس کو ارجن کی بزدلی اور کمزوری پر محمول کیا اور اُس کا دل شیر ہوتا گیا۔ اور سری کرشن کا منصوبہ یہ تھا کہ جب کرن خوب تھک جائیگا اُس وقت ارجن سے مقابلہ کراؤں گا۔

آخر کئی دن کے بعد سری کرشن ایکا ایکی ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے لیکر پہنچ گئے اور ان دونوں بہادروں کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اس وقت دونوں لشکر سناٹے کے عالم میں کھڑے سیر دیکھتے تھے۔ اور ہر شخص کا دل انجام کے خیال سے دھڑک رہا تھا کرن ارجن سے ایسا جی توڑ کر لڑا کہ باید و شاید۔ ارجن کے اوسان باختہ ہو گئے۔ مگر سری کرشن نے رتھ بانی کے ہنر سے کرن کو گھبرا دیا۔ وہ رتھ کو ایسے چکر دے دیکر پھراتے تھے کہ کرن اپنے ہتھیاروں کی شسست قایم نہ رکھ سکتا تھا۔ اسی اثنا میں کرن کے رتھ کا پہیہ کیچڑ میں پھنس گیا۔ اور اس نے ارجن کو آواز دی کہ ذرا ہاتھ کو روک لو میں پہیہ کیچڑ سے نکال لوں۔ چونکہ یہ بات آداب جنگ میں شامل تھی۔ ارجن نے ہاتھ روک لیا۔ اور کرن خود اُتر کر پہیہ کیچڑ سے نکالنے لگا۔ اُس وقت سری کرشن نے کرن کو ملامت کرنی شروع کی اور فرمایا "آج تو آداب جنگ کی پناہ ڈھونڈھتا ہے کل کیا ہوا تھا جب تو نے سات آدمیوں کے ساتھ ہو کر اکیلے ابھے مینو پر حملہ کیا اور آئین جنگ کے خلاف اُس کو مار ڈالا۔ کیا تو بھول گیا کہ تو نے دروپدی کی بے عزتی کو خوش ہو کر دیکھا تھا۔ ایسے شخص کو امان دینی جائز نہیں۔ مگر دیکھ ہم نے اصول جنگ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ اور تجھ کو امان دیدی"

سری کرشن کی اس ملامت سے کرن نادم ہوگیا۔ اور پہیہ نکال کر جب اس نے مقابلہ شروع کیا تو خود بخود اس کی ہمت پست ہوگئی۔ اور ارجن نے بہت آسانی سے اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

کرن کے مرتے ہی دریودھن کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہوگئی۔ اس کے لشکر سے غوغائے الم بلند ہوا۔ اور فوجوں کے پرے بھاگنے شروع ہوئے۔ مگر دریودھن نے ان کو سنبھالا اور راجہ مدرا کو کمانڈری دیکر صفیں جمائیں۔ مگر راجہ مدرا بھی تھوڑی دیر میں کٹ کر گر پڑا تو سپاہ بالکل بھاگ نکلی۔ اور خود دریودھن بھی فرار ہوکر سامنے کے ایک جنگل میں جا کر چھپ گیا۔

دریودھن کا خاتمہ یہ کیفیت دیکھ کر یدھشٹر جنگل کے قریب گیا اور دریودھن کو آواز دیکر کہا "اب کیوں چھپتا ہے۔ میدان میں آ۔ اور بہادروں کی طرح مقابلہ کر۔ اگر تو نے ذاتی مقابلہ میں فتح پائی تو پھر سب کچھ تیرا ہے۔ ہم بھائیوں میں سے ایک کو بھی تو قتل کرسکیگا تو ہم سب راج پاٹ چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں گے۔ خاندان کو بٹہ نہ لگا۔ عورتوں کی طرح منہ نہ چھپا۔ میدان میں نکل۔ اور ہمت ہے تو لڑ"

دریودھن نے جواب دیا "اب میں تاج و تخت کے واسطے لڑنا نہیں چاہتا وہ تو میں نے تم کو بخشا۔ البتہ بزرگوں اور بھائیوں کے خون کا تم سے انتقام لینا ہے اس کیلئے لڑنے کو تیار ہوں۔ مگر سوائے لکڑی کے کسی ہتھیار سے نہیں لڑوں گا۔ تم میں سے جو شخص لکڑی سے لڑنا قبول کرے سامنے آئے۔ مگر یدھشٹر۔ اور اے ارجن تم دونوں میرے آگے بالکل مریل ہو۔ میں تم سے لڑتا ہوا شرماتا ہوں۔ میرے مقابلہ کا البتہ بھیم ہے اُسکو بلاؤ تاکہ وہ مجھ سے لڑے۔

یہ سُن کر بھیم آگے بڑھا۔ اور دریودھن سے لکڑی چلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد دریودھن تھک گیا اور بھیم نے اس کی ران پر ایسی لکڑی ماری کہ اس کی ران پاش پاش ہوگئی۔ اور دریودھن اوندھے منہ گر پڑا۔ گرا تو بھیم نے اُس کے سر پر پاؤں رکھدیا۔ اس پر سری کرشن نے

آواز دی ”خبردار اے بھیم پاؤں کو سر پر سے ہٹالے۔ عاجز دشمن کی بے حرمتی شرافت کے خلاف ہے“
دریودھن ران کے زخم سے مرا نہ تھا۔ مگر مرنے سے بدتر ہو گیا تھا۔ اس کو ادھ موا چھوڑ کر سب لوگ اپنے خیموں کی طرف واپس چلے آئے۔ یہ دریودھن کی آخری حالت تھی۔ اس کے اقبال کا ستارہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس کی جہانداری کی کشتی ڈوب چکی تھی۔ وہ خاک پر پڑا ایڑیاں رگڑتا تھا۔ اور مہا بھارت کی جنگ کو اس نے اپنے گرنے سے گویا ختم کر دیا تھا۔

آج وہ دیکھ رہا تھا کہ سب چچا تایا۔ بھائی بند۔ دوست احباب۔ میری حرص کی آگ میں جلکر مر گئے۔ اس کو نظر آتا تھا کہ دنیا کی محبت نے اپنا انجام میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ اب موت قریب ہے۔ اور زندگی ہاتھ سے جاتی ہے۔ آج کوئی قوت مجھ کو سہارا دینے والی نہیں ہے۔ اب میری آنکھ بند ہو جائیگی۔ اور شوق و تاج و تخت کے سب جھگڑے نابود ہو جائیں گے۔

زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ دل سے آہیں بہ رہی تھیں بدن سے جان بہنے کا سامان کر رہی تھی۔ آسمان چپ نگاہوں سے اس کو دیکھتا تھا۔ اور دریودھن بولتی نظروں سے آسمان کو دل ہی دلمیں مخاطب کرتا تھا۔

یہ انجام تھا ہندوستان کے ایک ظالم اور جابر حکمران کا۔ جس نے حق اور راستی کو پس پشت ڈالکر دوسروں کے حقوق پر دست درازیاں کیں تھیں جسکو اپنی فوجوں پہ گھمنڈ تھا۔ جس کو اپنے جنرلوں کے فنون جنگ پر غرور تھا۔ جو خدا کی عادل قوتوں سے خم ٹھونک کے مقابلہ کرنے چلا تھا۔ دیکھو دو گز کی اس عزت والی مورت کو خاک پر لوٹی پڑی ہے۔ اس کی امیدیں چھوٹ گئیں۔ اس کی تمنائیں پامال ہو گئیں۔ اس کے ارمان دلمیں مر گئے۔

یہ دریودھن ہے۔ نتیجہ ظلم کاری ہے۔ نمونہ ستم شعاری ہے۔ بھائیوں کا حق چھیننے والا۔ عورت کی بے حرمتی کرنے والا۔ دغا فریب کا پتلا۔ خواہش نفس کا غلام آؤ دیکھو۔ اس کا انجام دیکھو۔

مٹی کا بچھونا ہے۔ تنکوں کا تکیہ ہے۔ کانٹوں پر لوٹتا ہے۔ خون میں ڈوبا ہوا حیات

چند روزہ کا خواب دیکھ کر موت کے ہاتھوں بیدار ہوتا ہے۔

آخری سفاکی پدہشٹر بھائیوں کو لیکر اُلٹا پھرا۔ شام ہوگئی تھی۔ دریودھن میدان میں زخمی پڑا تھا کہ اس کے باقیماندہ تین جرنیل سرہانے آکر کھڑے ہوئے اور اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ ان تینوں میں اشوتھاما فرزند درون اچاریہ بھی تھا۔

اشوتھامانے کہا "اے راجہ مجھ کو اجازت دے کہ آج میں تیرا اور اپنے باپ کا دشمنوں سے بدلہ لوں" دریودھن مر رہا تھا مگر اس کی خبیث روح خوشی سے پھڑکنے لگی اور اس نے کہا "ہاں ہاں تجھ کو اجازت ہے جا اور بدلہ لے کے میری جان کو ٹھنڈا کر" اشوتھامانے کہا میں حریف پر شب خون مارنا چاہتا ہوں۔ جنرل کرپانے کہا یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے اور ہمارے بزرگوں نے کبھی ایسی کمین حرکت نہیں کی۔ اشوتھاما بولا۔ بس چپ رہو۔ آج سب کچھ جائز ہے۔

یہ کہہ کر وہ چپ چاپ رات کی تاریکی میں دشمن کے خیموں کے اندر گھس گیا اور پہلے دیومن پسر راجہ درو پد کے خیمہ میں پہنچا۔ جس نے اشوتھاما کے باپ درون اچاریہ کو قتل کیا تھا دیومن اس وقت بے خبر سوتا تھا۔ کمبخت نے سوتے میں اس کو ذبح کر ڈالا اور باپ کے انتقام سے جی ٹھنڈا کیا۔ اس کے بعد پانڈو خاندان کے جس قدر شہزادے اور جتنے ان کے حمایتی راجہ اور سوار تھے سب کو خیموں میں گھس گھس کر ہلاک کر دیا۔ اتفاق سے سری کرشن اور یدہشٹر سب بھائیوں سمیت اس رات کیمپ میں نہ تھے باہر ٹھہر گئے تھے۔ ورنہ ان کی ہلاکت بھی یقینی تھی۔

اشوتھامااس آخری سفاکی کو پورا کر کے صبح ہوتے دریودھن کے پاس گیا وہ اسوقت سکرات کے عالم میں تھا۔ چند سانس باقی رہے تھے کہ اشوتھامانے اس کو یہ خوش خبری سُنائی دریودھن اس پر جفا قتل کارے کی اطلاع سے بہت خوش ہوا اور بولا اب میری جان بہت آسانی سے نکلیگی۔ تو نے بڑا اچھا کیا اور خوب شاندار کام کیا۔ یہ کہا اور آخری ہچکی لیکر مر گیا۔

لڑائی ختم ہوگئی تو تجویز ہوئی کہ دریودھن کے ماں باپ کو اس انجام کی خبر دینے کیلئے سری کرشن کو بھیجنا چاہئے۔ تاکہ وہ ان کو تسلی دلاسا دے سکیں۔ سری کرشن نے اس کو منظور کیا۔ اور میدان جنگ سے دہرت راشٹر کے پاس تشریف لیگئے دریودھن کے ماں باپ نے جب یہ خبر سُنی تو بڑا واویلا مچایا۔ مگر سری کرشن نے فلسفیانہ تقریر سے ان کو صبر تلقین کر کے خاموش کر دیا۔ آخر سب عورتوں نے خواہش کی کہ ہم کو میدان جنگ دکھا دو۔ سری کرشن نے قبول کیا اور ان کو لیکر کروکشیتر میں تشریف لائے۔ یہ تہانیسر اور پانی پت کے درمیان ہے جہاں مہابھارت کی لڑائی ہوئی تھی۔

جب عورتوں نے اپنے خاوندوں۔ اپنے بھائیوں۔ بیٹوں۔ باپوں کی لاشیں دیکھیں تو ان کا روتے روتے عجب حال ہوگیا۔ اور دریودھن کی ماں گندھاری سری کرشن کو کوسنے لگی۔ اور کہا۔

"یہ سب تیرا کیا کام ہے۔ پانڈو کے لڑکے تو لڑائی پر آمادہ نہ تھے تو نے اُن کو اُکسا اُکسا کر لڑایا۔ اور یہ روز بد دکھایا"

سری کرشن نے گندھاری کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور چپ کے کھڑے مُسکراتے رہے۔ وہ جاہل کو کیا جواب دیتے بے شک وہی اس رزم عظیم کے بانی مبانی تھے بلاشبہ ان ہی کی مسلسل تدبیروں سے پسران پانڈو کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ مگر فساد کی بنا تو خود گندھاری کا بیٹا دریودھن تھا۔ سری کرشن اس غمزدہ سے کیا مُنہ لگتے اور اس سے کیا کہتے کہ دیوانی کردنی خویش آمدنی پیش۔

یدہشتر کی تخت نشینی کے یہ سب کچھ ہو چکا تو یدہشتر سے درخواست کی گئی کہ تخت پر بیٹھے۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ اور کہا سارے خاندان کو ہلاک کر کے کیا خاک بادشاہت کروں ہر چند اس کو سمجھایا گیا مگر وہ نہ مانا۔ یہاں تک کہ خود دہرت راشٹر اور گندھاری نے بھی منت سے کہا کہ اب تیرے سوا کون ملک کی حفاظت کر سکتا ہے۔ مگر یدہشتر نے نہ مانا تو سری کرشن

سامنے آکر بولے۔

"سُن سُن او دیوانے۔ ترک دنیا کیا ہے۔ اور دخل دنیا کیا ہے اپنے وجود کو دیکھ۔ اس میں اعضا ہیں۔ ان کے فرائض ہیں۔ ان میں زندگی ہے۔ زندگی کا حق کام ہے۔ چھتری نسل میں پیدا ہوا ہے مرنے مارنے کا کیا غم کرتا ہے چل اٹھ تخت پر بیٹھ۔ تاج پہن۔ خلق خدا کی حفاظت کر کہ وہی تیرا سب سے بڑا عمل اور کرم ہے"

یہ تقریر بہت طویل اور مؤثر تھی مگر میں نے صرف خلاصہ مطلب لکھدیا۔ کیونکہ سری کرشن کی یہ تمام اصلی تقریریں حصہ دوم میں معہ حواشی کے لکھی جائینگی۔

یدہشٹر سری کرشن کی تقریر سے متاثر ہوا اور فوراً بسر و چشم کہہ کر تخت پر بیٹھ گیا مگر کفارہ کے ایک جلسہ کی تیاری شروع کر دی۔

سری کرشن ان سب کو مطمئن کر کے دہلی سے روانہ ہوئے اور سیدھے دوارکا تشریف لیگئے ؛ چند روز کے بعد پھر دہلی تشریف لائے۔ اور اب کے اُن کے ہاتھ سے ایک مُردہ زندہ ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

مُردہ بچّے کا زندہ ہونا } یہ تو ابھی پڑھا ہوگا کہ اشوتھاما نے پانڈوزادوں کے تمام نوجوان شہزادوں کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ اور کوئی لڑکا ایسا نہ بچا تھا جو یدہشٹر کے بعد تاج و تخت کا وارث ہوتا مگر رانی اُترا حاملہ تھی جو ابھے منیو مقتول کی بیوہ اور سری کرشن کی بھانج بہو ہوتی تھی۔ اس کے حمل پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ کہ خدا اس کو بیٹا دے تاکہ نسل آگے بڑھے اور پانڈو کا نام زندہ رہے۔

اشومیدہ یگ (کفارہ کا جلسہ) ہونے والا تھا۔ سری کرشن بھی اس کی شرکت کو دوارکا سے دہلی تشریف لائے جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے اسی روز رانی اُترا کے ہاں، مردہ لڑکا پیدا ہوا۔

بچّہ کو مردہ دیکھ کر کہرام مچ گیا۔ جس پر آس لگی ہوئی تھی وہی مردہ پیدا ہو تو جتنا ماتم

کیا جاتا کم تھا۔

سری کرشن نے سنا تو وہ بھی محل میں تشریف لائے۔ اور مردہ بچہ کو دیکھا۔ مستورات نے ان کو گھیر لیا۔ اور قدموں میں گر گر فریاد کرنے لگیں کہ اللہ کسی طرح اس بچہ کو زندہ کردو۔ ورنہ ہمارے خاندان کا خاتمہ ہو جائیگا۔

سری کرشن کچھ دیر تو خاموش رہے۔ اس کے بعد بچہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ارے او خاک کے پتلے! اُس میں نے ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی میدان جنگ سے بھاگا۔ اگر میری ان نیکیوں کی خدا کے ہاں کچھ قدر ہے تو ان کے طفیل تو زندہ ہو جا"

اتنا کہنا تھا کہ بچہ حرکت کرنے لگا۔ اور اس میں سانس پیدا ہو گیا۔ سری کرشن کا یہ معجزہ دیکھ کر تمام حاضرین ان کے قدموں میں گر پڑے۔

اس بچہ کا نام پریکشت رکھا گیا۔ اور آخر میں یدھشٹر کے بعد یہی تاج و تخت کا وارث ہوا۔ مردہ کا زندہ کر دینا آریہ سماجی حضرات کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی قوم اس واقعہ پر کچھ بھی تعجب نہ کریگی اس کا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے اپنے بندوں کے ہاتھ سے مُردے زندہ کرا سکتا ہے۔ اگلے زمانہ کے پیغمبروں نے مردے جلائے ہیں آخر زمانہ میں حضرت محمدؐ رسول اللہ صلعم کی امت کے اولیاء اللہ نے بیسیوں مردے زندہ کئے ہیں۔

آج یورپ و امریکہ کے فلاسفر اور سائنس داں کوئی مشین یا طریقہ مردہ زندہ کرنے کا ایجاد کر لیتے تو غالباً آریہ سماجی صاحبان سری کرشن کے اس معجزہ کو بھی قبول کر لیتے کیونکہ وہ اور ان جیسے تمام پرستاران عقل خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا پارسی اپنے گھر کے کمالات کو جب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ یوروپ کی تصدیق بھی اس پر ہو جائے۔

سری کرشن نے بچہ سے یہ خطاب نہیں کیا کہ تو میرے حکم سے زندہ ہو جا بلکہ انہوں نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ قرار دیکر ایک طرح کی دعا مانگی۔ اور یہی وہ معیار ہے جس کو

ہم مسلمانوں نے انبیا اور اولیاء کی زبان سے سُنا ہے۔ یعنے ان لوگوں نے جب کبھی مردہ زندہ کیا تو خدا ہی سے دعا کرکے کیا۔ مسلمان اس حدیث قدسی سے واقف ہیں۔ جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے سچے رسول محمد مصطفےٰ کی زبان سے فرمایا ہے۔

کہ جب بندہ نیک اعمال سے میری قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے کام کرتا ہے اور پکڑتا ہے۔ میں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اسکی زبان بن جاتا ہوں۔ مجھ سے بولتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی نیک اعمال بندۂ خدا سے کوئی ایسا کام ہو جو عقل اور فطرت ظاہر کے خلاف نظر آئے تو خیال کر لینا چاہئے کہ اس کا کرنے والا خدا ہی تھا۔ دیکھنے میں ایک بندہ کے ہاتھ یا زبان سے ہوا مگر اس کا فاعل حقیقی وہی پروردگار ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سری کرشن جی کی شخصیت ایک مذہبی آدمی کی۔ یا اوتار کی ضرور تھی۔ ورنہ اُن سے ایسی عجیب درخواست نہ کی جاتی۔ یعنے ان کو مُردہ بچہ کے زندہ کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔ جو آریہ سماجی سری کرشن کے درجہ اوتار اور مرتبہ مذہبی کے مُنکر ہیں اور محض ایک نامور راجہ ان کو کہتے ہیں وہ ان تمام واقعات پر غور کریں جن کو میں نے اس کتاب میں جگہ جگہ اشارہ کرکے بتایا ہے۔

سری کرشن کی وفات پریکشت کو زندہ کرکے سری کرشن دہلی سے دوارکا تشریف لیگئے اور پھر وہ کبھی دہلی نہ آئے۔

لکھا ہے کہ ۳۶ برس تک اس کے بعد وہ اور زندہ رہے۔ اسی اثنار میں ان کے خاندان نے باہمی کشت وخون سے اپنا ستیاناس کر لیا۔

سری کرشن کے کیرکٹر اور خصائل کو اس مختصر سے بیان زندگی سے سمجھ لیا گیا ہوگا کہ وہ بداعمالوں کو فنا کرنے کیلئے دنیا میں ظاہر ہوئے تھے۔ کنس۔ جراسندہ۔ دریودھن

اور تمام بڑے بڑے ظلم کاروں کا انہوں نے خاتمہ کر دیا۔ اور ان مقاتل میں کبھی رحم یا ترس ان کے افعال واقوال سے ظاہر نہ ہوا۔ حالانکہ ان میں ان کے دوست احباب اور رشتہ دار لوگ بھی تھے۔

یہی کیفیت دوارکا میں پیش آئی۔ وہاں تو ان کے سب بھائی بند اور بال بچے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شراب خواری۔ جوئے بازی۔ کینہ۔ حسد۔ اور صدہا عیبوں میں انکی برادری مبتلا ہو گئی ہے تو انہوں نے ایسا ڈھنگ اختیار کیا کہ ایک مخصوص مجمع میں جو شہر کی آبادی سے باہر تھا اور جہاں تمام لوگ جمع ہوئے تھے۔ خانہ جنگی کی تلوار چل گئی اور ایسی چلی کہ کل دو چار کے سوا کوئی بھی زندہ نہ بچا۔

سری کرشن خود بھی اس خانہ جنگی میں موجود تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر فریق کو شہ دے دیکر لڑاتے تھے۔ کبھی اس گروہ میں آتے اور اس کو بھڑکاتے کبھی اس فرقہ میں جاتے اور اس کو آمادہ قتال کرتے۔ غرض ایسی دھواں دہار خونریزی ہوئی کہ دو چار کے سوا کوئی بھی زندہ بچا۔

اثنائے قتال میں سری کرشن برابر مسکراتے تھے۔ گویا ان کو اس خونریزی میں مزا آرہا تھا۔ صرف بلرام۔ سری کرشن اور دو چار آدمی بچے تھے۔ باقی سب کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس واقعہ سے بعض دلوں میں خیال آئیگا کہ خدا والے کا کام خون خرابے کرانا نہیں ہے۔ مگر ان کو حضرت نوحؑ کا خیال بھی کرنا چاہئے۔ جنہوں نے بد اعمالیوں کے لئے خدا سے دعا کر کے طوفان بلایا۔ اور تمام مخلوقات کو غرق کرا دیا۔

یہ سب قدرت خدا کے کرشمے ہیں۔ کبھی وہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے کبھی ان پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ اور فنا کر ڈالتا ہے۔ سری کرشن بھی خدا کی طرف سے مامور تھے۔ کہ نافرمان بندوں کا قلع قمع کر دیں۔ اور اس کا خیال نہ کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بھائی ہے۔ یا رشتہ دار ہے۔ یا دوست ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ساری زندگی اسی فرض کی تعمیل میں بسر کر دی۔

القصہ جب جادو خاندان کا خاتمہ ہوچکا تو سری کرشن جنگل میں نکل گئے اور وہاں جاکر یاد الٰہی کرنے لگے۔ اور ان کا بھائی بلرام بھی دوارکا سے نکل کر سمندر کے کنارے جا بیٹھا اور وہیں اُس کا انتقال ہوگیا۔

ارجن کو یہ خبر دہلی میں پہنچی تو وہ دوارکا آیا اور اُس نے سری کرشن کے پوتے بزر کو تخت نشین کرکے باقیماندہ خاندان کا حاکم بنا دیا۔

سری کرشن مدتوں جنگل میں عبادت کرتے رہے۔ ایک دن وہ مراقبہ میں بیٹھے تھے دور سے ایک شکاری نے ان کو دیکھا تو ہرن خیال کرکے تیر مارا۔ جس سے سری کرشن سخت زخمی ہوگئے۔ شکاری قریب آیا تو سری کرشن کو اپنا شکار بنا دیکھ کر بہت گھبرایا۔ قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ سری کرشن پھر مسکرائے اور فرمایا "جا جا معاف کیا" یہ کہہ کر وہ گر پڑے اور جاں تن سے نکل گئی۔

خدا کے مقبول و برگزیدہ بندہ کی حالت کو دیکھنا۔ جس نے ہندوستان کے کونہ کونہ میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ جس نے تمام سرکش اور فرعون صفت ظلم رانوں کو خاک میں ملا دیا تھا جس کے عقل و ہنر سے تاج و تخت پیدا ہوتے اور مٹتے تھے آج وہ دنیا سے چلا تو کس سادگی سے چلا۔ اس نے دنیا کی حشمت و دولت میں لات ماردی۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی طرح فرش خاک پر لیٹا۔ اور جان خدا کے سپرد کردی۔ آج نہ کوئی تیماردار اس کے پاس تھا۔ نہ غمگسار نہ کوئی اس کی فکر میں آہ کرنیوالا تھا۔ نہ اس کی خوشی میں واہ کرنیوالا بس وہ خود اکیلا تھا یا اسکا خدا۔ جو اپنے پیارے بندوں کا ہر جگہ ساتھ دیا کرتا ہے۔

روایت ہے کہ سری کرشن وفات پاتے ہی آسمان کی طرف اُڑ کر چلے گئے اور پھر اُنکی لاش کا کہیں پتہ نہ لگا۔ کہتے ہیں یہ بیان خوش عقیدہ لوگوں کا من گھڑت ہے۔ مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ روح تو بہر حال اُن کی مقام اعلیٰ پر گئی۔ جسم بھی اگر خدا نے اٹھا لیا ہو تو کیا تعجب ہے کیا حضرت عیسیٰؑ مع جسم کے آسمان پر تشریف نہیں لیگئے تھے۔ اور جواب بھی وہاں موجود ہیں۔ بس ختم

کرشن بیتی پر ایک نظر

جو لکھنا تھا لکھ چکا۔ جو کہنا تھا کہہ چکا۔ سری کرشن کی آپ بیتی سارے جگ کے سامنے رکھدی یہ کہنا اور دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ میں نے سری کرشن کی تمام زندگی کا حال لکھدیا ہے یا ان کی تعلیمی اور عملی برتری کو پورا بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش کہاں تھی۔ اس میں تو صرف ایک سرسری تذکرہ ان کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات اور حالات کا ہے جس سے مسلمان قوم کو سری کرشن کی ذات سے آگاہ کرنا مقصود تھا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھ کو یہ فرض ادا کرنے کی توفیق دی اور اپنے وطن ہندوستان کی ایک وہ ضروری خدمت میرے قلم سے ادا کرائی جس پر ملک کی آئندہ محبت اور دو فرقوں کے اتحاد کا انحصار ہے۔

ہم سب جو اس ملک میں رہتے ہیں ہندو ہوں یا مسلمان۔ سکھ ہوں یا پارسی عیسائی ہوں یا یہودی۔ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ۔ امیر ہوں یا غریب۔ ایک ماں کے بچے ہیں ایک گھر کے رہنے والے ہیں۔ ملک کی خدمت کرنا ایک ہی مقصود ہم سب کا ہے۔

جنگ یوروپ کے بعد ہم سب کو اپنی برطانی سرکار سے سوراج۔ سلف گورنمنٹ ہوم رول یا حکومت خود اختیاری ملنے کی توقع لگی ہوئی ہے۔ مگر وہ توقع کیونکر پوری ہو سکتی ہے جبکہ ہماری زبانوں میں اختلاف ہے۔ ہمارے مذاہب میں اختلاف ہے ہماری معاشرت یعنے رہنے سہنے میں اختلاف ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے ہموطن گروہ سے ٹوٹا ہوا اور بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک اصولی اتحاد کے بغیر ہندوستان حکومت خود اختیاری کے قابل قیامت تک نہ سمجھا جائیگا۔ اور اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہندو اپنے عقائد گھروں اور دلوں تک محدود رکھیں۔ اور مسلمانوں سے ان کو ٹکرانے کی کوشش نہ کریں۔ اور مسلمان اپنے عقائد و اعمال میں خانگی طور پر سرگرم

رہ کر دوسرے فرقوں اور مذاہب کی مداخلت سے احتیاط رکھیں تاکہ باہر کی دنیا میں طرز عمل اور برتاؤ ہم سب کا بالکل متحد نظر آئے۔ اور یہ جب ہی ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرتے سکھیں اور ان سے واقفیت حاصل کر کے غیر ہندی اقوام کے سامنے ان کا ذکر فخر کے ساتھ کیا کریں کہ ہماری کرشن ایسے تھے۔ ہمارے رام ایسے تھے۔ ہمارے اکبر ایسے تھے۔ ہمارے شاہ جہاں ایسے تھے۔

کرشن بیتی یا حیات سری کرشن میں نے اپنے ذاتی عقائد و خیالات کی بنا پر لکھی ہے مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ ہر شخص میرا ہم خیال ہو جائے۔ تاہم میں نے واقعات کے بیان کرنے میں ذاتی رائے کو دخل نہیں دیا۔ حالات تو جوں کے توں جیسے ہندو کتابوں۔ ہندو روایتوں میں مذکور ہیں بلا کمی بیشی کے لکھدیئے۔ البتہ کہیں کہیں اظہار واقعہ کے بعد اپنی رائے لکھدی ہے یا کیفیت کو عام فہم کرنے کی خاطر ذرا طول دیدیا ہے۔

سری کرشن کی تقریریں جسقدر اس کتاب میں ہیں وہ بجنسہ ان کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ اپنے طرز تحریر میں مفہوم اور مقصد ادا کر دیا گیا ہے۔

رادھاجی کی نسبت میں نے جو کچھ رائے لکھی ہے وہ صرف عارف باللہ ہندو تسلیم کر سکیں گے ورنہ جو عقیدہ ہزاروں برس سے دلوں میں جما ہوا ہے وہ مجھ اجنبی کے لکھنے سے دور ہونا محال ہے۔

کبیر صاحب نے بھی رادھاجی کی نسبت ایک دوہے میں اسی کے قریب خیال ظاہر کیا ہے۔ جو میں نے اس کتاب میں لکھا۔

وہ فرماتے ہیں۔ رادھا روح کی دھارا کا نام ہے۔ نہ کسی عورت کا۔

میں نے اس کتاب میں آریہ سماجی خیالات کی اکثر جگہ مخالفت کی ہے۔ اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں آریہ سماج سے عناد رکھتا ہوں۔ بلکہ محض اختلاف رائے ظاہر کرنا مقصود تھا۔ میں اُن مسلمانوں سے بھی اسی طرح اختلاف کیا کرتا ہوں جو عقل و مادہ کی

ترنگ میں روحانی آدمیوں اور روحانی باتوں کا انکار کردیا کرتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے صاحب کی کتاب سے میں نے کرشن بیتی لکھنے میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مجھے افسوس ہے کہ لالہ صاحب کی اس رائے سے مجھے سراسر اختلاف ہے جو انہوں نے سری کرشن کے اوتار ہونے یا مذہبی آدمی ہونے یا مصنف گیتا ہونے کے خلاف دی ہے۔ یعنے وہ سری کرشن کو نہ اوتار مانتے ہیں نہ مذہبی رہنما۔ اور غضب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ گیتا سری کرشن کی تصنیف ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ گیتا کسی اور شخص نے لکھ کر سری کرشن کے نام سے منسوب کردی ہے۔

آج سارا یوروپ اور یوروپ کا سب سے بڑا علمی محقق ملک جرمنی تو اس پر زور دے کہ گیتا سری کرشن کی لکھی ہوئی ہے۔ اور صرف گیتا کی تصنیف کے باعث سری کرشن کو دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کرنا پڑتا ہے۔ اور لالہ لاجپت رائے صاحب محض اس وجہ سے کہ گیتا کو سری کرشن کی تصنیف مان لیا جائیگا تو پھر ان کو اوتار بھی ماننا پڑیگا کیونکہ گیتا میں انہوں نے خود اوتار ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تصنیف گیتا کے منکر بنے جاتے ہیں۔ اے ہندوستانیو پرائے شگون کے لئے اپنی ناک نہ کٹاؤ۔ بیشک سری کرشن خدا نہ تھے۔ اور اوتار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا کسی آدمی کے اندر حلول کرتا ہے جو ہندو سری کرشن کو خدا سمجھتے ہیں۔ یا ایسا اوتار مانتے ہیں جس کے جسم میں خدا سما گیا ہو۔ وہ غلطی پر ہیں ان کو نرمی سے سمجھانا چاہئے۔ ان کو دلیلوں سے قائل کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ نصیحت کرنے بیٹھے تو بزرگوں کے واجبی اوصاف کو بھی ملیا میٹ کردیا۔

سری کرشن کی عظمت میں ہندوستان کی عظمت ہے۔ سری کرشن کے اوتار ماننے اور مصنف گیتا تسلیم کرنے میں ہندوستانیوں کی آبرو ہے۔ تم اس میں بٹہ نہ لگاؤ۔ اور اپنے بھولے بھالے بے خبر ہندو بھائیوں کو جو نادانی سے سری کرشن کو خدا سمجھنے لگے ہیں کسی اور طریقے سے سمجھاؤ۔

اوتار کا مسئلہ بہت پیچیدہ اور طویل بحث کا محتاج ہے۔ جس کو اس کتاب کے دوسرے حصے میں لکھ کر بیان کیا جائیگا۔ مگر تھوڑا سا حال یہاں بھی لکھنا ضروری ہے تاکہ میری قوم مسلمان اس کو سمجھ لے۔

اوتار کس کو کہتے ہیں؟ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جب انسانوں کے دینی یا دنیاوی حالات میں کوئی شدید خرابی قابل اصلاح واقع ہوتی ہے تو اللہ اوتار ظاہر کرکے اس کو دور فرما دیتا ہے اوتاروں کا ظہور حسب ضرورت مختلف صورتوں اور حالات میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ایک راجہ تھا اور وہ بڑا سرکش اور منکر خدا تھا۔ مگر اس کا بیٹا خدا پرست تھا۔ راجہ خدا پرستوں پر ظلم کرتے کرتے اتنا بڑھا کہ اپنے بیٹے پر بھی ظلم کرنے لگا اور ایک دن غرور تکبر سے اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر خدا کوئی چیز ہے تو دربار کے اس ستون سے باہر نکل آئے۔ اور تجھ کو میری تلوار سے بچالے۔ لڑکے نے جواب دیا ہاں میرے خدا میں یہ قدرت ہے۔ وہ ستون سے نکلکر میری حمایت کر سکتا ہے راجہ آگ بگولا ہوگیا۔ اور جلاد کو بیٹے کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جوں ہی جلاد آگے بڑھا ستون شق ہوگیا اور اُس میں سے شیر کی صورت کا ایک آدمی نکلا جس نے خدا پرست شہزادہ کو قتل سے بچالیا اور راجہ کا پیٹ پھاڑ کر اس کو مار ڈالا۔ اسکو نرسنگھ اوتار کہتے ہیں اور جب کبھی بھی اوتار ظاہر ہوئے ہیں اسی قسم کے واقعات پیش آئے ہیں۔

ذی علم اور ذی فہم ہندو یہ ہرگز نہیں مانتے کہ خدا جسم انسان یا جسم حیوان اختیار کرتا ہے۔ بلکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ خدا اپنی کوئی صفت کسی آدمی کو دیتا ہے اور اسکی قوت سے وہ آدمی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ جیسی صفت اس آدمی کو ملتی ہے اُسی کے نام سے اوتار کا نام مشہور ہوتا ہے۔

مسلمان اگر اس کو سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت نوحؑ پیغمبر کے زمانہ میں تمام دُنیا کے باشندے سرکش اور منکر خدا تھے۔ تو خدا نے حضرت نوحؑ کے ذریعہ سے

پہلے ان کو ہدایت کرائی اور جب وہ نہ مانے تو طوفان بھیجکر اُن کو غرق کر دیا۔ اس اعتبار سے گویا حضرت نوحؑ طوفانی اوتار تھے۔ یا حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں شعبدہ باز اور ساحر لوگوں نے دوہم مچا رکھی تھی۔ اور ان کے عجیب علوم کو دیکھ کر خلقت فرعون کو پوجنے لگی تھی۔ اور خدا کی مُنکر ہو گئی تھی تو خدا نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کا اوتار بنایا جیسے وہ مُنکر تھے۔ یعنے حضرت موسیٰ کو معجزہ بھی ویسا دیا جس سے جادوگر عاجز ہو گئے۔ ساحروں نے رسیوں کے سانپ بنائے تو حضرت موسیٰؑ نے لکڑی کا سانپ بنا کر دکھایا۔ اور اسی کا نام اوتار ہے۔ یعنے ان میں خدا نے اپنی وہ صفت رکھی تھی جو منکروں کے سحر کو عاجز کر دے۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں حکیم طبیب بہت تھے۔ اس لئے ان کو مردہ زندہ کرنے اور اندھوں کو بینا بنانے کا معجزہ عطا ہوا۔ جس سے منکر خدا طبیب حیران رہ گئے اور یہی صفت اوتار تھی۔ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے زمانہ میں شاعروں اور زبان دانوں کی فصاحت و بلاغت کی دہوم تھی تو خدا نے ان کو ایک ایسی فصیح کتاب عنایت فرمائی جس نے ہر دعویٰ دار فصاحت کی زبان گنگ کر دی۔ اور سب منکرین خدا اسکے سامنے عاجز ہو گئے اسی کا نام صفت اوتاری ہے۔

دانشمند ہندو جن کو اپنے فلسفہ پر غور کرنے کا موقع ملا ہے کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اوتار خدا تھے یا خدا ان کے اندر سما گیا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح ان میں ظہور صفات الٰہی کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی طرف سے مامور خیال کرتے ہیں۔

تو پھر ہم لوگ اگر ہندوؤں سے جھگڑا کریں تو کیسی فضول بات ہوگی۔ یا آریہ سماجی لوگ اپنے اوتاروں کی قدر دنیا کے دلوں سے گھٹائیں تو وہ ہرگز ملک کے خیر خواہ نہ سمجھے جائیں گے۔

میں مسلمان ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور میں نے ہندوؤں کے ایک بڑے بزرگ کے حالات پر یہ کتاب لکھی ہے جو غیر قوم اور اجنبی مذہب کے آدمی سے غلطیوں کا

ہونا ناممکن نہیں ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ میرے قلم سے نادانستہ کوئی ایسی بات نکلی ہو جو ہندوؤں کو ناگوار گزرے۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ میری نیت کا لحاظ رکھا جائیگا۔ اور ہندو اس کا خیال رکھیں گے کہ میں نے جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ اجنبیت کے سبب کچھ غلط ہو گیا ہو تو قابل گرفت نہیں ہے۔

اے ہندوستانیو! اب اُن اختلافات کو بھول جاؤ۔ جو حکمرانی کی کشمکش نے ہندو مسلمانوں میں ڈالے تھے۔ اب تم دونوں تیسرے کے محکوم ہو۔ اب تو تم کو ایک تن۔ ایک من۔ ایک دھن ہو کر اسی ملک میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

کرشن کتھا

جب کرشن بیتی کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو میرے بعض ہندو دوستوں نے رائے دی کہ بیتی بپتا کے معنوں میں بولتے ہیں لہذا کتاب کا نام کرشن جیون ہونا چاہیئے اسلیئے دوسرے اور تیسرے اور چوتھے ایڈیشنوں میں اس کتاب کا نام کرشن جیون رہا۔ اور اب ۱۹۴۲ء کے اکتوبر میں جب اس کا پانچواں ایڈیشن چھپا تب پھر بعض ہندو احباب نے رائے دی کہ یہ کتاب کرشن جی کی کتھا ہے اسلیئے اس کا نام کرشن کتھا ہونا چاہیئے۔ کتھا کے لفظی معنی بیان کے ہیں۔ ہندوؤں میں جب کسی خاص بزرگ کے حالات بیان کئے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آج رامائن کی کتھا ہے یا گیتا کی کتھا ہے یا مہابھارت کی کتھا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب کرشن بیتی کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا اسوقت میں نے اردو میں ایک مضمون بھی تصوف پر لکھا تھا جس کا نام برہم کتھا تھا۔ یہ مضمون حضرت اکبر الہ آبادی کو اتنا پسند آیا تھا کہ انہوں نے میری نسبت ایک شعر لکھا تھا جس میں میری زندگی کے عمل کی تعریف کی تھی کہ ایک طرف حسن نظامی اسلامی خدمت بھی کرتا ہے اور دوسری طرف برہم کتھا بھی پیش کرتا ہے۔

پس اس پانچویں ایڈیشن کے وقت میں نے کرشن بیتی اور کرشن جیون نام بدلکر کتاب کا نام کرشن کتھا رکھدیا۔

غلط فہمیاں

جب میں نے کرشن بیتی اور کرشن بنسری اور رام اپدیش اور ہندو مذہب کی معلومات وغیرہ کتابیں شائع کیں تو مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ میں ہندو مذہب کی طرف مائل ہوگیا ہوں چنانچہ میرے خلاف کفر کے فتوے شائع کئے گئے۔ مگر جب سوامی شردہانند جی نے اور ان کی آریہ سماج نے مسلمانوں کو مرتد کر کے آریہ بنانا شروع کیا اور میں مسلمانوں کو فتنہ ارتداد سے بچاتے کے لئے میدان عمل میں آیا تو آریہ سماجیوں نے ہندو قوم میں یہ عام غلط فہمی پیدا کر دی کہ حسن نظامی ہندوؤں کا دشمن ہے اور ہندو مذہب کے خلاف ہے۔ چنانچہ آجتک لاکھوں کروڑوں ہندو اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں مگر میں نہ مسلمانوں کے فتوۂ کفر سے ڈرا کیونکہ وہ بالکل غلط باتوں کا یقین کر لینے سے دیا گیا تھا۔ اور نہ مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ آریہ سماجی مجھے ہندوؤں کا دشمن مشہور کر رہے ہیں کیونکہ یہ بات بھی بالکل جھوٹ اور غلط تھی۔ لہذا اس کتاب کے ناظرین کو عامیانہ شہرتوں سے بے تعلق ہو کر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اب ہندوستان کی حالت سیاسی پارٹیوں نے بہت نازک بنادی ہے۔ اور ہندو مسلمانوں کی سیاسی پارٹیاں دونوں قوموں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اپنا سیاسی مقصد پورا کرتی ہیں۔

ایکا پارٹی

ایک سال ہوا میرے ایک ہندو دوست ڈاکٹر مہر چند داور نے مجھ سے

مل کر ایکا پارٹی بنائی ہے جس کا مقصد ہندوستان کی سب قوموں میں ایکا اور ملاپ پیدا کرنا ہے۔ اس پارٹی کے قواعد ڈاکٹر داور صاحب کناٹ پلیس نئی دہلی سے منگوا کر دیکھیئے۔ آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ میرے خیالات کیا ہیں البتہ یہ ٹھیک ہے کہ میں اپنی مسلمان قوم کو دینی اور دنیاوی نقصان سے بچانے کا پہلے بھی حامی تھا اور اب بھی ہوں۔ اور جو لوگ ہندوؤں کو یا مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کے یقیناً میں خلاف ہوں۔

چند ہندو مسلم رئیس

ہندوستان میں بہت سے والیان ریاست ہندو مسلم ایکے کے حامی ہیں مگر ان میں ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور اور ہز ہائی نس نواب صاحب بھوپال اور ہز ہائی نس نواب صاحب جاورہ اور ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب گوالیار اپنے ذاتی عمل سے اس کا ثبوت دے رہے ہیں کہ ان کا برتاؤ تعصب اور قومی طرفداری سے بالکل پاک ہے۔ چنانچہ نواب صاحب رامپور نے ہندو یونیورسٹی بنارس کو سوالاکھ روپے دئیے تھے اور نواب صاحب بھوپال بھی اپنی ہندو رعایا کیساتھ خاص شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں اور نواب صاحب جاورہ بھی ہندو مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور مہاراجہ صاحب گوالیار نے تو ہندوؤں کے لئے مندر اور مسلمانوں کے لئے مسجد اور سکھوں کے لئے گوردووارہ بنوا کر ثابت کر دیا ہے کہ ان کی نظر میں سب فرقے ایک ہیں۔ موجودہ مہاراجہ صاحب سندھیا تاجدار گوالیار نے اُردو اور ہندی ترجمے قرآن مجید کی اشاعت کے لئے مجھے معقول رقم دیکر ہر مسلمان کے دل میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔

پس ان حالات میں سب ہندو مسلمان عوام کو خواہ وہ انگریزی علاقے کے

ہوں یا کسی ریاستی علاقے میں رہتے ہوں مذہبی اختلافات سے بچنا چاہیئے ورنہ ہندو مسلمانوں میں فساد برپا ہوا تو زیادہ نقصان ہندوؤں کا ہوگا کیونکہ ہندوؤں کے پاس دولت ہے اور مسلمان سب بھوکے ہیں۔ ایسی حالت میں ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ نقصان کس کا زیادہ ہوگا لہذا ہندوؤں کو اپنے علم سے اور اپنی دولت سے کام لیکر ایکا پارٹی کی طرف آنا چاہیئے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کو ہندوستان میں رہنا ہے۔ وہ اور ان کے باپ دادا ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں۔ جبتک وہ اور ہندو ایک دل نہ ہوں گے نہ مسلمانوں کو خوش دلی اور اطمینان حاصل ہوگا نہ ہندوؤں کو۔

۱۹۳۹ء سے یورپ میں دوسری بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ اور ستمبر ۱۹۴۱ء میں پورے دو سال اس جنگ کو ہوگئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ موجودہ حکومت کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور انتظام بگڑا تو تمام ہندوستان میں خانہ جنگی برپا ہو جائیگی۔ اور اس خانہ جنگی سے سب قوموں کو نقصان پہنچیگا۔ کوئی قوم یہ دعوی نہیں کر سکتی کہ وہ لڑائی سے یا خانہ جنگی سے دوسری قوموں کو دبا کر فائدہ اٹھائیگی۔ اطراف کی جنگ جو قومیں ہندوستان پر چڑھ دوڑینگی اور جن چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے ہندو مسلمان لڑتے ہیں وہ رہیں ایک طرف دونوں قوموں کی مذہبی یادگاروں اور عزتوں اور دولتوں پر ایک ایسی تباہی آئیگی کہ آج جس کا خیال کرنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پس سب قوموں کو چاہیئے کہ وہ ایکا پارٹی میں شامل ہو کر ہندوستان جنت نشان کو خانہ جنگی سے بچائیں اور ایک دوسرے کے عقائد اور مذہب اور رسم و رواج سے واقف ہوں۔ کیونکہ یہ جھگڑے محض ایک دوسرے کو نہ جاننے کے سبب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

حسن نظامی دہلوی۔ حجرہ محراب بزرگ۔ آستانہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیا محبوب الہی رح دہلی ۹ رمضان ۱۳۶۰ھ یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء